Philosophy — Durant

هٰذا بصائر للناس

بصائر

از

خواجہ محمد عبدالحی فاروقی

اُستاد تفسیر و ناظم دینیات

جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

قیمت آٹھ آنے

طبع ثالث
۱۳۵۷ھ
۱۹۳۶ء

جامعہ برقی پریس، دہلی

فہرست

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ

باب (۱)

قصص القرآن

فلسفہ تاریخ

قرآن کریم میں گذشتہ اُمتوں کے واقعات وحوادث بیان کیے گئے ہیں، ان قصوں کے بیان کرنے میں اس کتاب عزیز کا ایک انداز بلیغ یہ ہے کہ وہ عموماً واقعہ کے انھیں اجزا کو بیان کرتا ہے جو نتائج وعبرت اور موعظت وموضوع حکایت کے لحاظ سے قصہ کے ضروری وناگزیر اجزا ہیں، اور ان چیزوں کو بالکل چھوڑ جاتا ہے جن کے بیان سے موضوع استدلال ومقصد موعظت کو کوئی تعلق نہیں، اس کا اندازہ یوں ہوسکتا ہے کہ توریت سامنے رکھ لیجائے اور کسی مشترک قصہ کو دونوں میں دیکھا جائے، تورات کا مقصد بیان قصص سے عبرت وموعظت اور استخراج وعرض نتائج نہ تھا، اس لیے وہ ایک مورخ وراوی کی طرح اول سے آخر تک تمام واقعات بیان کرتی ہے، اور اس باب میں صرف جمع واستقصا واحاطہ کو پیش نظر رکھتی ہے نفع وعدم نفع واحتیاج وعدم احتیاج کو نہیں، برخلاف اس کے قرآن کریم کا مقصد کتاب پیدائش وخروج کی طرح جمع واقعات و تاریخ نہیں ہے، بلکہ ہدایت وموعظت، وہ کسی قصہ کو لیتا ہے تو اس لیے نہیں کہ مورخ کی طرح مرتب کردے، بلکہ اس لیے کہ ان سے کسی خاص تعلیم کے لیے استشہاد

کا کام لے حفظ واقعات و تاریخ دنیا کے لیے بے کار ہی، بجز اس کے کہ اس کے نتائج مستقبل میں کام آئیں، فلسفۂ تاریخ کا یہی مقصد بیان کیا جاتا ہی، قرآن مجید نے اسی کو پیش نظر رکھا ہی، وہ اقوام و امم کے مشہور ایّام و سنین و انقلابات سے استخراج نتائج و استنباط شواہد و تعلیل و توجیہہ امور کرتا ہی اسی کا نام بصائر و موعظہ ہی اور اس معنی میں دنیا کے پاس قصص اولین کے لیے بجز قرآن کے اور کوئی کتاب نہیں،

قَدْ جَاءَکُمْ بَصَائِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ عَمِیَ فَعَلَیْہَا۔ (۶: ۱۰۴) تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارے پاس روشن دلیلیں پہنچ چکی ہیں، تو جس نے دیکھا، اُس نے اپنا بھلا کیا، اور جو اندھا بنا رہا اُس نے اپنے حق میں بُرا کیا۔

سبب اختصار

اختصار بیان قصص، وعدم اعتنا بہ بعض جزئیات واقعہ کی ایک علت تو یہ ہی، دوسری ایجاز بلاغت و عدم اعادہ و تکرار جزئیات ہی یعنی جن جزئیات کو سامع قرینہ سے خود سمجھ لے گا، کیونکہ انکی طرف پہلے اشارہ ہو چکا ہی، ان کا اعادہ بالکل ترک کر دیا جاتا ہی، یا جو جزئیات قصص ضمناً واضح ہو جاتے ہیں، اُن کی طرف مستقلاً اشارہ نہیں کیا جاتا، یا جن الفاظ اتصال و ربط کو بیان و قرینہ بتلا رہا ہے، اس کو ترک کر دیتا ہی۔

ایک اور قسم ہی یعنی تیسری، قرآن مجید میں بڑا حصّہ قصص کا بنی اسرائیل و اہل کتاب کے متعلق ہی، یہ قصص نہایت شرح و بسط سے روایات یہود میں موجود تھے اور یہود و نصاریٰ عموماً ان سے واقف تھے پس قرآن مجید ان کے بعض اجزا کو اس بنا پر چھوڑ جاتا ہی کہ سامع ان کے بیان کا محتاج نہیں، اور پورا قصّہ اس کے علم میں موجود ہی صرف اشارہ کافی ہوگا اشارہ کر کے اس کے ذہن کو اس نتیجہ کی طرف پھیر دیا جائے جو اس قصّہ میں موجود ہی، مگر غفلت و ضلالت کی وجہ سے وہ معرض ہی، مخاطب کے لیے اس میں کاوش اور دلچسپی بھی ہی ورنہ وہ ایسی باتوں کے سُننے سے گھبرا جائے جو اس کو پہلے سے

بشرح تمام معلوم ہیں۔

دو اور مقصد

پس قصص معلومہ و مشہورۂ اہل کتاب کے بیان میں قرآن اشارات پر اکتفا کرتا ہی، البتہ اس سلسلہ میں اس کے دو مقصد اور بھی ہیں، اکثر واقعات ایسے تھے جن کی روایت و کتابت میں سخت غلطیاں پڑگئی تھیں، یا راویوں اور کاتبوں کے اوہام و رسوم و عوائد سے مختلط ہو گئے تھے، یا عدم اسباب نامۂ حفظ کی وجہ سے بعض کڑیاں معدوم ہو گئی تھیں، یا تقلید و پرستش قدما کی وجہ سے مکتوبات تورات پر روایات احبار و علماء تفسیر و تاویل شراح کو مقدم کر دیا تھا، سو ان امور کی اصلاح و تصحیح بھی قرآن کریم نے اپنے اعمال مہمہ میں داخل کی، کیونکہ اختلافات کے لئے حکم اور ظنون و اوہام کے لیے وہ کتاب مبین تھا، پس جن قصص میں، اور قصہ کے جن حصص میں ایسے اغلاط پیدا ہو گئے تھے، اُن کو خاص طور پر بیان کر کے اصلیت مستورہ کو واضح کر دیا ہی۔

یا بعض عقائد کی غلطیاں تھیں جو بعض واقعات کی بنا پر پیدا ہو گئی تھیں، اور اُن کی وجہ سے لاکھوں انسان ضلالت میں مبتلا ہو گئے تھے، تو بیان واقعات کے ضمن میں ان کی حقیقت بھی کھول دی، اور اہل کتاب پر واضح کر دیا کہ ان کی معلومات تاریخی اس بارے میں لائق احتجاج نہیں۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ قرآن مجید قصص اہل کتاب کو جب بیان کرتا ہی تو اُس کا انداز او مقصد بیان کیا ہوتا ہی، مختصر جملوں میں یہ کہ:-

(الف) استدلال و موعظت وغیرہ، اور یہ عام ہی۔

(ب) تصحیح بعض واقعات مہمہ۔

(ج) رد بعض عقائد مبنی علی القصص۔

ان تینوں صورتوں میں وہ صرف انھی ٹکڑوں سے تعرض کرتا اور بیان کرتا ہی جن سے استدلال و موعظت،

یا تصحیح واقعات یا تصحیح عقائد مقصود ہو، باقی کے لیے مخاطبین کے علم اور قصص کی شہرت پر اعتماد کرتا ہے۔

اقسام ثلثہ

پس قرآن مجید کے اختصار بیان کی تین قسمیں ہوئیں۔

(۱) مقصود تاریخ نہیں بلکہ بعض ایام وسنین مشہورہ عالم سے استدلال واستشہاد اور بعض نتائج عبرت وہدایت کے لیے نظائر وامثال واستقرار تاریخی، اس لیے صرف مطلوبہ اجزا کو لے لیا۔

(۲) ایجاز بلاغت، وعدم تکرار غیر ضروری وقناعت بہ قرائن و دلالت معنوی۔

(۳) مخاطبین میں وہ واقعات شہرت رکھتے ہیں اور اُن کی تفصیل اُن کے پاس موجود ہے، پس اشارات پر اکتفا اور باقی کے لیے سامع کے علم پر اعتماد، الا یہ کہ تصحیح واقعات، یا تصحیح عقائد مقصود ہو اور اس لیے باوجود علم مخاطبین ان کو اغلاط سے الگ کر کے صورت صحیحہ میں جلوہ گر کیا جائے۔

پہلی قسم کی مثال میں تقریباً تمام حصۂ قصص پر نظر ڈالیے حضرت موسیٰ علیہ السلام و بنی اسرائیل کے واقعات تورات کی چار کتابوں میں بیان کیے گئے ہیں، کیونکہ مقصود تاریخ محض تھا، لیکن قرآن کریم نے جس قدر بیان کیا ہے وہ زیادہ سے زیادہ تین چار صفحوں میں آسکتا ہے، کیونکہ مقصود عبرت و موعظت و استدلال و استشہاد و جمع نتائج تھا، قرآن صرف حضرت موسیٰ کی پیدائش، خروج، محاربہ فلسطین و عمالقہ، اور پھر بعد از موسیٰ میں سے صرف قصۂ طالوت و عہد داؤد و سلیمان کو بالاختصار بیان کرتا ہے اور ان کے نتائج پر توجہ دلا کر دوسری طرف متوجہ ہو جاتا ہے۔

حضرت لوط کے واقعات کتاب پیدائش کے تین صفحوں میں آئے ہیں لیکن قرآن حکیم تمام سوانح لوط میں سے صرف اسی قدر حاصل سخن لے لیتا ہے کہ:

وَلَمَّا جَاءَتْ رُسُلُنَا لُوطًا سِيءَ بِهِمْ	اور جب ہمارے فرشتے لوط کے پاس آئے تو وہ اُنسے غمناک
وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَقَالَ هَٰذَا يَوْمٌ عَصِيبٌ	اور تنگ دل ہوئے اور کہنے لگے کہ آج کا دن بڑی مشکل کا دن ہے

وَجَاءَهُ قَوْمُهُ يُهْرَعُونَ إِلَيْهِ ۖ وَمِن قَبْلُ كَانُوا يَعْمَلُونَ السَّيِّئَاتِ ۚ قَالَ يَا قَوْمِ هَٰؤُلَاءِ بَنَاتِي هُنَّ أَطْهَرُ لَكُمْ ۖ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَلَا تُخْزُونِ فِي ضَيْفِي ۖ أَلَيْسَ مِنكُمْ رَجُلٌ رَّشِيدٌ ۝ قَالُوا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِي بَنَاتِكَ مِنْ حَقٍّ وَإِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيدُ ۝ قَالَ لَوْ أَنَّ لِي بِكُمْ قُوَّةً أَوْ آوِي إِلَىٰ رُكْنٍ شَدِيدٍ ۝ قَالُوا يَا لُوطُ إِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَن يَصِلُوا إِلَيْكَ ۖ فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ إِلَّا امْرَأَتَكَ ۖ إِنَّهُ مُصِيبُهَا مَا أَصَابَهُمْ ۚ إِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ ۚ أَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيبٍ ۝ فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا جَعَلْنَا عَالِيَهَا سَافِلَهَا وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّن سِجِّيلٍ مَّنضُودٍ ۝ مُّسَوَّمَةً عِندَ رَبِّكَ ۖ وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بِبَعِيدٍ ۝ (۱۱: ۷۸ تا ۸۳)

اور لوط کی قوم کے لوگ ان کے پاس بے تحاشا دوڑتے ہوئے آئے اور یہ لوگ پہلے ہی سے بُرے کام کیا کرتے تھے، لوط نے کہا کہ بھائیو! میری لڑکیاں ہیں، یہ تمہارے لیے پاک ہیں، تو خدا سے ڈرو اور میرے مہمانوں کے بارہ میں میری آبرو نہ کھوؤ کیا تم میں کوئی بھی شائستہ آدمی نہیں، وہ بولے کہ تم کو معلوم ہی ہے کہ تمہاری بیٹیوں کی ہمیں کچھ حاجت نہیں، اور جو ہماری غرض ہے اُسے تم جانتے ہو، لوط نے کہا اے کاش مجھ میں تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی یا میں کسی مضبوط قلعہ میں پناہ پکڑ سکتا، فرشتوں نے کہا کہ لوط ہم تمہارے پروردگار کے فرشتے ہیں، یہ لوگ ہرگز تم تک نہیں پہنچ سکیں گے تو کچھ رات رہے سے اپنے گھر والوں کو لیکر چل دو اور تم میں سے کوئی شخص پیچھے پھر کر نہ دیکھے مگر تمہاری بیوی کہ جو آفت ان پر پڑنے والی ہے وہی اس پر پڑے گی، ان کے وعدے کا وقت صبح ہے، اور کیا صبح کچھ دُور ہے؟ تو جب ہمارا حکم آیا ہم نے اس بستی کو اُلٹ کر نیچے اوپر کر دیا اور ان پر پتھر کی تہ بتہ کنکریاں برسائیں جن پر تمہارے پروردگار کے ہاں سے نشان کیے ہوئے تھے، اور وہ بستی ان ظالموں سے کچھ دُور نہیں۔

اب غور کرو، سارے قصہ لوط کا حقیقی حاصل یہی ہے اور جتنا واقعہ بیان کیا ہے، اس کے انداز بیان، خواتیم آیات اور جابجا کے اشارات میں کس طرح ہدایت و تنبہ و موعظة و بصیرة کو ملحوظ رکھا ہے، برخلاف اس کے صفحات تورات ان حکم و بصائر سے یک سر خالی ہیں، البتہ نہایت تفصیل سے ایک بے اثر قصہ جمع کر دیا ہے لَا يُسْمِنُ وَلَا يُغْنِي مِن جُوعٍ، اسی طرح قصہ نوح و قصہ طالوت کو دیکھیے اور مقابلہ کیجیے۔

حضرت لوط وغیرہم کا نسب نامہ، وطن کی حالت، قوم کی بدکاریوں کے مشرح واقعات، آپس کا سوال وجواب، بعد از عذاب کی حالت، ان تمام اُمور کو قرآن نے بالکل نظر انداز کر دیا ہے اور ہمیشہ ہر متبع قرآن ہر حکیم اجتماعی نظر انداز کر دیگا۔

احسن القصص

دوسری قسم کی مثال بھی تمام حصۂ قصص میں دیکھی جا سکتی ہے سورۂ یوسف کو دیکھیے، غیر ضروری ٹکڑوں کو کس طرح نظر انداز کر دیا ہے، بھائی مشورہ کرتے ہیں کہ باپ سے یہ جا کر کہیں گے، اب چاہیے کہ ان کا باپ کے پاس جانا اور طے شدہ مشورہ کے مطابق باتیں کرنا بھی بیان کیا جائے، داستان سرا اس قسم کے ٹکڑوں کو ہمیشہ دو جگہ دکھلائے گا، ایک مشورہ کے وقت، ایک ملاقات پدر کے وقت، تورات میں ایسا ہی ہے، لیکن قرآن صرف ایک موقع کو لے لیتا ہے اور چونکہ دوسرے موقع پر اسی کے مطابق کام ہوا ہے اس لیے اُس کو بیان نہیں کرتا، اِرْجِعُوْا اِلٰی اَبِیْکُمْ فَقُوْلُوْا یٰاَبَانَا اِنَّ ابْنَکَ سَرَقَ ۚ وَمَا شَهِدْنَا اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ حٰفِظِيْنَ، وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا وَالْعِيْرَ الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا ۭ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ، اب اس کے بعد ہی باپ کا جواب ہے قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ الخ

اس دوسری قسم میں اس کو بھی دیکھیے کہ جس مقام پر اشخاص کے ناموں سے کوئی خاص نتیجہ یا اثر نہیں مرتب ہوتا وہاں اُن کے نام بھی نہیں لیے جاتے، یوسف کے بھائیوں کے نام نہیں تبلائے کیوں کہ ان سے کوئی فائدہ نہ تھا اور اہل کتاب کو معلوم اسی طرح وہ مقامات جہاں قَالَ، قَالُوْا، اجاب کو محذوف کر دیا ہے، یا مثلاً سورۂ مومنون میں فَاَرْسَلْنَا فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ "ان اعبدوا اللہ" رسول کا قول ہے مگر بیان نسبت قولی کو ترک کر دیا، کیوں کہ قرائن سے معلوم بصورت عام چاہیے تھا "قَالَ اعْبُدُوا اللّٰهَ الخ۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام

تیسری قسم کی بنا پر بھی تمام قصص اہل کتاب پر نظر ڈالیئے ایک بڑا نمونہ سورہ یوسف ہے قرآن مجید بقیہ حصص کے لیے معلومات مخاطبین یعنی اہل کتاب پر اعتماد کرتا ہے الا یہ کہ تصحیح واقعات و رفع اختلافات و رد عقائد باطلہ کی ضرورت پیش آجائے اس کی عمدہ مثال حضرت مسیح کا قصہ ہے سورہ مریم اور بعض حصص آل عمران سے مقصد حضرت مسیح کی سوانح عمری نہیں ہے بلکہ بنی اسرائیل کی ضلالت، انکار و قتل انبیاء دعوۃ موسوی کے ظہور آخری و تبشیر ظہور رسالۃ کبریٰ و دعوۃ عظمیٰ وغیرہ مقاصد پیش نظر ہیں اسی سلسلہ میں ان غلطیوں کا ازالہ بھی ضروری ٹھیرا جو حضرت مسیح کے متعلق یہود و نصاریٰ میں پھیل گئی تھیں یہود نے نبوۃ کا انکار کیا اور مریم صدیقہ کو زنا کا الزام لگایا، نصاریٰ نے ظہور مسیحی کی حقیقت گم کردی اور عبداللہ کو ابن اللہ ٹھیرایا پس ضمناً ان جزئیات کو بھی بیان کردیا، جن سے ان گمراہیوں کا رد ہو جاتا تھا مثلاً جزئیات پیدائش حضرت مسیح وغیرہ۔

واقعہ صلیب کی اصلیت گم ہو گئی تھی پس ضرور تھا کہ تصحیح واقعہ کردیا جائے، لہٰذا مَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ فرمایا اسی طرح حضرت سلیمان کے واقعات قصص یہود و روایات طالمود میں بیحد مسخ ہو گئے تھے، یہودیوں کے یہاں حضرت سلیمان کی وہی حیثیت ہو گئی تھی جیسے عوام مسلمانان ہند میں امیر حمزہ نامی ایک فرضی ہیرو کی صدہا مزخرفات و مافوق الفطرۃ عجائب و غرائب ان کی طرف منسوب ہو گئے تھے اور گھر گھر پھیل گئے تھے، کتاب اللہ تو وَرَاءَ ظُهُوْرِهِمْ تھی زیادہ تر دارو مدار روایات احبار و مکتوبات طالمود پر تھا جیسے آج کل قرآن سے زیادہ قصص الانبیاء مساجد کے مجامع میں مقبول ہے قرآن حکیم نے ان لغویتوں کا انسداد کیا اور عہد سلیمان کے اصلی اور سچے واقعات بیان کر دیئے، قصہ ہاروت و ماروت اور انکار کفر سلیمان جس کی تفسیر میں لوگ سرگردان ہیں اسی قسم کے ماتحت لاکر حل کیجیے۔

اور قسمیں

ایک مرتبہ پھر ان قصص پر نظر ڈالیے آپ دیکھیں گے کہ وہ اپنے موضوع و مقصد اور طرز استدلال واستنباط نتایج کی بنا پر کئی قسموں میں منقسم ہیں۔

(الف) بعض سورتیں ہیں جن میں ان قصص کے بیان کرنے سے ایک طرح کا استقرا، تاریخی مقصود ہی یعنی یہ ثابت کرنا ہی کہ آغاز نزول ہدایت سے لے کر اس وقت تک شریعۃ الالٰہیہ کی یکساں تعلیمات نے ہمیشہ یکساں نتایج پیدا کیے ہیں اور اس لیے ماضی کا استقرا، ثابت کرتا ہی کہ حال و مستقبل میں بھی ان مؤثرات و اسباب سے وہی نتایج پیدا ہوں گے سورہ ہود ملاحظہ کیجیے۔

جن سورتوں میں یہ طرز استدلال مقصود ہی ان میں گذشتہ واقعات تاریخی ترتیب کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں اور وہ بالکل ایک مرتب و منظم زنجیر کی طرح ہیں جس میں یکے بعد دیگرے ایک ہی شکل و صورت کی کڑیاں رکھدی گئی ہیں

(ب) بعض سورتیں ہیں جن میں یہ استقرا، تاریخی مقصود نہیں ہی بلکہ صرف کسی ایک عمل اور اس کے نتیجہ کی طرف دنیا کو متوجہ کرنا ہی جو بارہا دنیا میں ظاہر ہو چکا ہی، اور ہمیشہ وہی نتیجہ پیدا ہوا ہی اس کے لیے ترتیب تاریخی کی ضرورت نہ تھی بلکہ صرف گذشتہ واقعات میں سے زیادہ واضح، زیادہ مؤثر زیادہ جامع اور مخاطبین کے معلومات وفہم سے زیادہ اقرب حوادث کا چن لینا کافی تھا، چنانچہ ان سورتوں کا انداز یہی ہی اور تم پاؤ گے کہ ان میں تاریخی ترتیب بالکل مفقود ہی سورہ شعرا کو دیکھیے۔

(ج) کہیں وحدت ادیان و توحید شرائع مقصود ہی اور یہ ثابت کرنا ہی کہ وہ ایک ہی شریعۃ الالٰہیہ ہی جس کی طرف برابر ہر ظہور نے دعوت دی اور سب کی دعوت کا مقصد قیام دین الٰہی و عدم تفرقہ واختلاف تھا، چنانچہ سورہ شوریٰ کا یہی موضوع اصلی ہی۔

رجوع الی المقصود

گذشتہ اوراق میں ہم نے بڑی حد تک قصص القرآن پر پوری تفصیل سے بحث کردی ہے اب اصل مقصد کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ قصوں میں پہلی قسم حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے واقعات وحوادث تھے اس رسالہ میں ہم اپنے مباحث کو صرف بنی اسرائیل ہی تک محدود رکھتے ہیں، ان حالات وواردات کے بیان کرنے سے ہمارا صرف یہ مقصد ہے کہ کتاب عزیز کے بعض پہلوؤں کو ممتاز و نمایاں کیا جائے، اور ارباب نظر و بصیرت پر یہ کیفیت واضح ہو جائے کہ تاریخ ہمیشہ اپنے آپ کو دوہراتی ہے، اگر چشم بصیرت وا ہو تو ہم اس وقت بھی قصۂ فرعون و موسیٰ کا تماشا ان آنکھوں سے دیکھ سکتے ہیں۔

ہم نے بنی اسرائیل کو قصص القرآن کی اولین صف میں لاکر کھڑا کیا، اور سب سے پہلے ان ہی کے سوانح وحالات سے بحث کی، اس انتخاب کا سبب بالکل واضح ہے، قرآن حکیم نے سورۂ بنی اسرائیل میں بتایا ہے کہ بنی اسرائیل پر غفلت و ضلالت کے دو سب سے بڑے دور آئے، اس لیے دو ہی مرتبہ عام بربادی بھی چھائی، اور اُن کو عذاب دینے کے لئے دو جابر و قاہر قومیں مسلط ہوئیں، پہلی بربادی بخت نصر والی بابل کے ہاتھوں ہوئی، اور دوسری ٹیٹس، قیصر روم کے ہاتھوں:۔

وقضینا الیٰ بنی اسرائیل فی الکتٰب لتفسدنّ فی الارض مرّتین ولتعلنّ علوًّا کبیرًا، فاذا جاۤء وعد اولٰهما بعثنا علیکم عبادًا لنا اولی باسٍ شدید فجاسوا خلٰل الدیار وکان وعدًا مفعولًا۔

(۱۷ : ۴ و ۵)

اور ہم نے بنی اسرائیل سے اسی کتاب میں صاف کہہ دیا تھا کہ تم ضرور ملک میں دو دفعہ فساد کروگے، اور دونوں دفعہ لوگوں پر بڑی زیادتیاں بھی کروگے، تو جب ان فسادوں میں پہلے فساد کا وقت آیا تو ہم نے تمھارے مقابلہ میں اپنے ایسے بندے اٹھا کھڑے کئے جو بڑے سخت گیر تھے، اور وہ تمھارے شہروں کے اندر پھیل گئے، اور خدا کا وعدہ پورا ہونا ہی تھا۔

بنی اسرائیل کی پہلی بربادی خود ایشیا ہی کی ایک قوم کے ہاتھوں ہوئی، یعنی اہل بابل کے ہاتھوں،

اور دوسری کا ظہور یورپ سے ہوا یعنی روم سے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں اور صدہا اُمور پر پیشین گوئی کے طور پر روشنی ڈالی اور وہ سب کے سب حرف بحرف ثابت ہوئے، اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا:۔

لیاتین علیٰ امتی ما اتیٰ علیٰ بنی اسرائیل حذو النعل بالنعل۔ — میری اُمت پر بھی وہ سب کچھ گزرنے والا ہی جو بنی اسرائیل پر گزر چکا ہی۔

ٹھیک اسی طرح فتنۂ تاتار کے ظہور میں مسلمانوں کے لیے وہی معاملہ تھا جو بنی اسرائیل کے واسطے بخت نصر کے ظہور میں تھا، یہ فتنہ ایشا کا تھا اور وہ ہو چکا ہی، دوسرا یورپ کا ہی جو ہو رہا ہی۔

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر بنی اسرائیل کے متعلق نہایت ہی مفصل و مبسوط درس دیئے ہیں، اور ان میں اس قوم کی اجتماعی و انفرادی خرابیوں پر روشنی ڈالی ہی، مندرجۂ بالا حدیث نے یہ بتا دیا کہ مسلمانوں میں وہ تمام باتیں پیدا ہو کر رہیں گی جن کا شکار بنی اسرائیل ہوئے، سورۂ بقر کی تفسیر میں ہم نے مسلمانوں اور یہودیوں کے حالات کا مقابلہ کرکے دکھا دیا ہی کہ فرزندان اسلام ٹھیک یہودیوں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔

فراعنۂ مصر نے صدیوں تک بنی اسرائیل کو اپنا غلام بنائے رکھا، ان کی فطری آزادی کو سلب کرلیا، اور اُن کو جانوروں کی سی زندگی بسر کرنے پر مجبور کیا، تا آں کہ قدوس حق نواز نے اپنا دست اعانت دراز کیا، اور موسیٰ عمران کو فرعون کی تباہی و بربادی کے لیے بھیجا، آج بھی اس زمانہ کے فراعنہ، وہ سب کچھ مسلمانوں کے ساتھ کر رہے ہیں جو کئی ہزار برس قبل بنی اسرائیل کے ساتھ سرزمین مصر میں ہوا، وَمَا یَعْقِلُهَا اِلَّا الْعٰلِمُوْنَ، وَقَلِیْلٌ مَّا هُمْ، ہم نے اسی حقیقت کو آیندہ اوراق میں بیان کیا ہی:۔

خوش تر آں باشد کہ سرِّ دلبراں
گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

باب ۲

فراعنۂ مصر

چھوت چھات

کنعان کا ایک اسرائیلی نوجوان، سرزمین فراعنہ میں قدم رکھتا ہی، غلامی کی حالت میں وہاں فروخت کیا جاتا ہی، اور پھر وہی نوجوان عمل صالح کی قاہرانہ قوت سے مصر کے تاج و تخت کا مالک بن جاتا ہی، فراعنہ مصر کی تاریخ ہمیں بتاتی ہی کہ مصریوں کو اس زمانہ میں غیر قوموں سے بڑی نفرت تھی، حتیٰ کہ ہندوؤں کیطرح چھوت کرتے تھے، توراۃ میں ہی کہ جب یوسف نے اپنے بھائیوں کے لیے دسترخوان چنوایا « اور اُنھوں نے اس کے لیے الگ اور ان کے لیے جدا اور مصریوں کے لئے جو ان کے ساتھ کھاتے تھے علحدہ چنا، اس لئے کہ مصر کے لوگ عبرانیوں کے ساتھ کھانا نہیں سکتے، مصری اسے مکروہ جانتے ہیں"۔ (پیدائش ۴۳: ۳۲)

اسی قوم کی نگرانی میں بنی اسرائیل کو قریباً چار سو سال تک مصر میں مقیم رہنا پڑا، قبطیوں نے اپر طرح طرح کے مظالم کیئے، اس اجنبی رعایا کے تباہ و برباد کرنے میں انھوں نے کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی، اور اس طرح اللہ کی زمین، فراخی و وسعت کے باوجود اس قوم پر تنگ ہوگئی، تاآں کہ مالک السمٰوات و الارض کے ہاتھ نے حرکت کی، اور ایک ہی آن میں فراعنہ مصر کی ظالمانہ حکومت کا خاتمہ کر دیا، اور آیندہ کے لیے یہ قانون بنا دیا کہ جب کبھی کوئی فرعون اس کرۂ ارضی کی پشت پر نمودار ہوگا، اُس کو سمندروں میں غرق کرنے کے لیے فوراً ایک موسیٰ پیدا کر دیا جائے گا، جو اس کو آناً فاناً تباہی کے سمندر میں غرق کر دیگا، دنیا اس وعدۂ الٰہی کے ماضی کو دیکھ چکی ہی، اب مستقبل کو دیکھنا باقی ہی، وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُولًا۔

فرعون نے اس قوم پر جو جو مظالم کیئے، اُن کی الم انگیز داستان تو بہت طویل ہی، اور ایک مبسوط

تصنیف کی محتاج ہی، ہم نے فی الحال قرآن حکیم کے چند مقامات کو درس و فکر کے لیے چُن لیا ہی کہ ان سے استنباط و استخراج نتائج کیا جائے اور ارباب فہم و بصیرت ان نتائج و عبر کو آویزۂ گوش بنائیں۔

قومیت متحدہ کی ضرورت

اقوام عالم کی موت و حیات، ترقی و تنزل، تسلط و تنزع اور سعادت و شقاوت کے جو اصولی اسباب و مراتب ہیں، اُن میں سب سے اہم و عظم ترین اتحاد و اشتراک عمل ہی، قوم کے تمام افراد اپنے آپ کو ایک ہی جسم کے اجزائے مختلفہ یقین کریں، سب کا مقصد ایک ہی ہو، اسی کا عشق دامن گیر ہو اور اسی کی محبت کی زنجیریں سب کے پاؤں میں ہوں، مریں تو اسی کے لیے، اور زندگی ہو تو اسی کی خاطر:-

پیکرش از قوم و ہم جانش ز قوم — ظاہرش از قوم و پنہانش ز قوم!

قرآن حکیم نے جابجا اتحاد و اجتماع کو قومی زندگی کی سب سے بڑی بنیاد اور اصل قرار دیا ہی اس نے سب سے پہلے عرب کو، اور پھر تمام دنیا کو ان الفاظ میں مخاطب کر کے فرمایا:-

وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا ۞ وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَآءً فَاَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖٓ اِخْوَانًا ۚ ۳:۹۸	سب مل جل کر اور پوری طرح اکٹھے ہو کر اللہ کی رسی کو مضبوط پکڑ لو سب کے ہاتھ اسی ایک حبل اللہ سے وابستہ ہوں، اللہ کا یہ احسان یاد کرو کہ کیسی عظیم الشان نعمت سے جس سے سرفراز کیے گئے تمہارا حال یہ تھا کہ بالکل بکھرے ہوئے اور ایک دوسرے کے دشمن تھے اللہ نے تم سب کو باہم ملا دیا اور اکٹھا کر دیا، پہلے ایک دوسرے کے دشمن تھے تو اب بھائی بھائی ہو گئے۔

شارع علیہ السلام نے اسی بنا پر اسلامی زندگی کا دوسرا نام جماعت رکھا اور علیحدگی کو جاہلیت سے تعبیر کیا۔

من خرج من الطاعة وفارق الجماعة فمات مات ميتة جاهلية۔	جو خلیفہ کی اطاعت سے باہر ہو گیا اور اس نے جماعت کا ساتھ چھوڑ دیا پھر اسی حالت میں بغیر توبہ کے مر گیا تو اُس کی موت جاہلیت کی موت ہوئی۔

ترمذی میں ہی۔

من فارق الجماعة شبراً فکانما — جو شخص بالشت بھر بھی جماعت سے باہر ہوا اُس کا حکم یہ ہے کہ گویا

خلع ربقة الاسلام عن عنقه۔ — اُس نے اسلام کی اطاعت کا حلقہ اپنی گردن سے نکال دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے خطبوں میں یہ حدیث بیان کیا کرتے تھے۔

علیکم بالجماعة، فان الشیطان — جماعت سے الگ نہ ہو، ہمیشہ جماعت بن کر رہو، کیوں کہ جب

مع الواحد، وهو من الاثنین — کوئی تنہا اور الگ ہوا تو شیطان اُس کا ساتھی ہوگیا، دو انسان بھی مل کر

ابعد۔ — رہیں تو شیطان ان سے دُور رہے ان میں اتحادی اور جماعتی قوت پیدا ہوگئی اب

وہ راہ حق سے نہیں بھٹک سکتے۔

اسی طرح علیکم بالسواد الاعظم، — تمہیں جماعت کے ساتھ رہنا چاہیئے۔

اور فانہ من شذ شذ فی النار — اس لیے جو جماعت سے الگ ہوا وہ دوزخ میں ڈال دیا گیا۔

اور ید اللہ علی الجماعة — اللہ کی تائید و نصرت فقط جماعت کے ساتھ ہے۔

اور لا یجمع اللہ اُمتی علی الضلالة — میری امت کو اللہ گمراہی پر جمع نہیں کرے گا۔

اس بارے میں مشہور و معروف اور زبان زد خاص و عام ہیں۔

نماز میں التزام جماعت پر زور دیا، اھدنی کی جگہ پر اھدنا الصراط المستقیم فرما کر بتا دیا کہ قرآن کے نزدیک فرداً اور فرد کی ہستی کوئی شے نہیں، ہستی صرف اجتماع اور جماعت کی ہے، جمعہ و عیدین کو اگر اگر حقیقت بیں نظر سے دیکھئے تو اتحاد کی غرض نمایاں اور ممتاز نظر آئے گی، زکوٰۃ کی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ جماعتی زندگی کے بقا و استحکام کی جانب فرزندان توحید کو متوجہ کیا جائے، شارع نے تؤخذ من اغنیائھم وترد الی فقرائھم میں اسی فلسفہ اجتماع کو بیان کیا تھا، حج میں منجملہ اور اسرار و مصالح کے ایک سب سے بڑی غرض و مصلحت یہی ہے جب ایک شخص نے حضرت رسالت سے دریافت کیا کہ حج کسے کہتے ہیں، تو آپ نے فرمایا: الحج عرفة، میدان عرفات میں اجتماع کا نام حج ہے، چنانچہ تمام ائمہ اعلام کا

یہی مذہب ہے کہ جو شخص عرفات میں حاضر نہ ہو اُس کا حج نہیں ہوتا۔

ہر ظالم و جابر اور اجنبی حکومت کی اولین سعی و کوشش یہی ہوتی ہو کہ وہ کسی نہ کسی طرح جائز و ناجائز طریقوں سے کام لے کر اپنی رعایا میں پھوٹ اور اختلاف ڈال دے، ان کے مختلف گروہ بن جائیں، ان میں اس قدر اختلافات پیدا ہوں کہ شب و روز ان میں مبتلا رہ کر ایک دوسرے کو فنا کرنے کی فکر میں رہیں، اگر ایک بھائی ترقی کرنے لگے تو دوسرا اُس کے گرانے اور ذلیل کرنے کے درپے ہو، ہر وقت اپنی ہی قوم کے ذبح کرنے کی تجاویز پر غور و فکر ہوتی رہے، اس اختلاف و تفریق کا نتیجہ یہ ہوتا ہو کہ اجنبی حکومت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم ہو جاتی ہیں، جو ہر وقت ان مختلف گروہوں کو آپس میں لڑاتی رہتی ہو، اور ہر ضعیف جماعت کو قوی کے مقابلہ میں بھڑکا کر دونوں کی قوت کو پاش پاش کر دیتی ہو۔

اس خانہ جنگی کے باعث رعایا کے دل میں نہ تو کبھی شریفانہ جذبات پیدا ہوتے ہیں، اور نہ ہی کبھی حریت و استقلال قومی کا انھیں خیال آتا ہو، بلکہ ہر فریق کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہو کہ یہی اجنبی حکومت ہمارے ملک پر قابض رہے اور ببانگ دہل ہر جماعت اپنی کوتاہ فہمی اور کم عقلی کی وجہ سے اس کا اعلان کرتی ہو کہ ہماری زندگی صرف اس حکومت کے بقاء و استحکام کے ساتھ وابستہ ہو، اس لیے تمام جماعتیں اپنے اپنے طور پر اس کے قیام کی خاطر، ہر قسم کی غداری اور ملت فروشی کی مرتکب ہوتی ہیں، اور نہیں دیکھتیں کہ وہ دراصل اپنے آپ کو تباہ و برباد کر رہی ہیں، قدرت کی جانب سے ہر قوم کو جارحانہ اور مدافعانہ قوت و طاقت نوازش کی جاتی ہو کہ حسب ضرورت اس کو غیروں کے مقابلہ میں صرف کیا جائے، لیکن آہ ثم آہ! اختلاف کے وقت یہی چیز اپنے بھائیوں کو غلامی و محکومی کی زنجیروں میں جکڑنے کے لیے صرف کی جاتی ہو فیا للاسف و یا للعار!

اپنے حقوق کی نگہداشت، حریت حقہ کی حفاظت، اور ارتقاء ملت کا خیال دل سے حرف غلط کی طرح مٹ جاتا ہو، اجنبی حکومت خواہ کیسی ہی ظلم و جور کرنے والی اور ناانصاف و مفسدہ پرداز ہو جس کے

مظالم روزِ روشن کی طرح الم نشرح ہو چکے ہوں، اور جس نے کبھی اپنے عہد کی پابندی نہ کی ہو، اختلاف و تفریق کے وقت اسی کو رحمتِ الٰہی قرار دیا جاتا ہے، خوشامد، چاپلوسی، اور تملق کے جذباتِ خبیثہ ان بدبختوں کی تمام انفرادی و اجتماعی زندگی کو فنا کر دیتے ہیں۔

سورۂ قصص ان حقیقتوں کی طرف ہماری یوں رہنمائی کرتی ہے:-

ان فرعون علا فی الارض	فرعون ملک مصر میں بہت بڑھ چڑھ رہا تھا، اور اُس نے وہاں کے
وجعل اھلھا شیعًا یستضعف	لوگوں کے الگ الگ گروہ قرار دیے تھے، ان میں سے ایک گروہ
طائفۃ منھم یذبح ابناء ھم و	یعنی بنی اسرائیل کو اس قدر کمزور سمجھ رکھا تھا کہ اُن کے بیٹوں کو ذبح
یستحی نساء ھم انہ کان من	کروا دیتا، اور اُن کی عورتوں کو زندہ رکھتا، اس میں شک نہیں کہ وہ بھی
المفسدین، (۲۸ : ۳)	فسادیوں میں سے ایک فسادی تھا۔

اس آیت میں فرعون کے چند مظالم بیان کیے گئے ہیں:-

(الف) بنی اسرائیل کے سپاہیانہ جذبات کو فنا کرنے کے لیے فرعون نے سیاسی فریب اور مکاری کے ذریعے اس میں بغض و عداوت، پھوٹ و نفاق اور باہمی انتقام کے امراض پیدا کر دیے، ان کی جمعیت کو توڑ دیا، ان کی قومیت کو فنا کر دیا، اور ان کی اجتماعی قوت کو مختلف ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا، یہی مسئلہ توازن ہے۔

جب ایک قوم اختلافات و منازعاتِ باہمی کا شکار ہو جائے تو اُس کا مستقبل تاریک ہو جاتا ہے، اقبال کی جگہ ادبار، عروج کی جگہ تسفل، ترقی کی جگہ تنزل، عظمت کی جگہ ذلت، حکومت کی جگہ غلامی اور بالآخر زندگی کی جگہ موت اُس پر چھا جاتی ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جب کسی قوم پر خدا کی لعنت طاری ہوتی ہے تو وہ غلامی اور محکومی ہی کی صورت میں ظاہر ہوا کرتی ہے، مفسرین کرام نے ضربت علیہم الذلۃ اینما ثقفوا الا بحبل من اللہ وحبل من الناس (۳ : ۱۰۸) جہاں دیکھو ذلت ان کے

سر پر سوار ہی، مگر اللہ کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے، اور نیز لوگوں کے عہد و پیمان کے ذریعہ سے کہیں ان کو پناہ مل گئی تو دوسری بات ہی۔ کی یہی تفسیر کی ہی، اور ھوالقادر علیٰ ان یبعث علیکم عذاباً من فوقکم (۶ : ۶۵) وہی خدا اسپر قادر ہی کہ تمہارے اوپر کی طرف سے کوئی عذاب تمہارے لیے نکال کھڑا کرے کا یہی مطلب ہی۔

سورۂ انفال میں مسلمانوں کو مخاطب کرکے فرمایا:۔

واطیعوا اللہ ورسولہ ولا تنازعوا فتفشلوا وتذھب ریحکم (۸ : ۴۸) اللہ اور اس کے رسول کا حکم مانو، اور آپس میں جھگڑا نہ کرو، کہ آپس میں جھگڑا کرنے سے تم ہمت ہار وگے اور تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی۔

(ب) فوجی طاقت، جب بنی اسرائیل میں مختلف جماعتیں پیدا ہوگئیں تو اب فرعون کو یہ خیال دامن گیر ہوا کہ چوں کہ اس قوم میں ابھی تک کچھ لوگ بیدار دماغ، متحرک اعصاب اور مضطرب دل رکھتے ہیں، اور سیاست کی چھپی ہوئی چالوں کے زہر آلود اثر کو محسوس کرتے رہتے ہیں، اس لیے ضروری معلوم ہوتا ہی کہ ان کے لڑکوں کو ذبح کردیا جائے، نہ لڑکے زندہ رہیں گے نہ ان میں حریت و استقلال قومی کے خیالات پیدا ہوں گے، صبر و استقامت، ہمت و جوانمردی، اور جوش فداکاری و سرفروشی یک قلم نابود ہو جائے گا، نوجوانوں ہی سے فوج بنتی ہی، جو ہتھیار سنبھالتی ہی اور دشمنوں کے ساتھ میدان جہاد و قتال گرم کرکے اپنے حقوق کی حفظ و نگہداشت کرتی ہی، قتل کرنے سے لڑکوں کا نام و نشان باقی نہ رہے گا، فوجی طاقت فنا ہو جائے گی، حکومت کو رعایا کی جانب سے کسی قسم کا خوف و خطر باقی نہ رہے گا، اور اس طرح یہ لوگ بے دست و پا ہو کر اس ظالمانہ حکومت کے ہاتھ میں آلۂ بے جان بن جائیں گے، اور اپنی فطری حرکت کو چھوڑ کر اس کے اشاروں پر چلیں گے۔

اس ظلم و جور اور قہر و استبداد کا نتیجہ یہ ہوا کہ بنی اسرائیل کی فوجی طاقت پر عالم ممات طاری ہوگیا، اور آن واحد میں نشو و ارتقا سے رک گئی۔

(ج) قلت افراد، لڑکوں کے ذبح کرنے سے فرعون کے پیش نظر ایک یہ چیز بھی تھی کہ بنی اسرائیل کی آبادی روز بروز کم ہوتی جائے، تاکہ بتدریج ان کی ترقی کی تمام راہیں بند ہوجائیں، اور کچھ مدت کے بعد ان کا نام و نشان بحیثیت قوم کے حرف غلط کی طرح دنیا سے باطل ہوجائے۔

(د) اخلاقی قوت، قوم عبارت ہی اخلاق فاضلہ اور اعمال صالحہ سے رسول کریم نے اپنی بعثت کی غرض و غایت ان الفاظ میں بیان فرمائی :۔

بعثت لاتمم مکارم الاخلاق — میں عمدہ ترین اخلاق کی تکمیل و اتمام کے لیے بھیجا گیا ہوں۔

قوموں کی بنیاد، مضبوط و مستحکم کرنے کے لیے چند چیزوں کی ضرورت ہوتی ہی، مثلاً :۔

اس کے افراد آپس میں مل جل کر، اور جماعت بن کر رہیں۔

سپاہیانہ جذبات، اور جنگجویانہ احساسات رکھتے ہوں۔

فضائل اخلاق اور محاسن اعمال سے آراستہ ہوں۔

فرعون نے لڑکوں کو ذبح کیا کہ بنی اسرائیل کی لڑکیاں آزادانہ عصمت فروشی کریں، اُن کی اخلاقی قوت برباد ہو، ہر گلی اور کوچہ میں فاحشہ عورتوں کے چکلے ہوں جن کی نگرانی خود ارکان حکومت کے ذمہ ہو، انہیں کی سرپرستی اور ولایت میں بدعملی و بدکرداری کا بازار گرم ہو، اور اس بدبخت قوم کی ہر لڑکی، حاکم سے سند اجازت لے کر بازار میں اپنے حسن و جمال کی نمائش کر سکے، فوجی لوگ بغیر کسی ظاہری رکاوٹ کے اپنی خواہشات نفسانی کو پورا کر سکیں، اور اگر ارکان حکومت کو دوشیزہ اور نوجوان لڑکیوں کی تلاش و جستجو ہو تو آسانی سے مل سکیں۔

(ہ) نوجوان، اسے معلوم تھا کہ آزادی و حریت کی راہ میں بوڑھے ہمیشہ پیچھے رہتے ہیں، سن رسیدہ ہونے کی وجہ سے ان میں مصلحت، دور اندیشی اور عاقبت بینی آجاتی ہی، بات بات میں بحث و جدل کے عادی ہوجاتے ہیں ان کی کم زور ہڈیاں تکلیفوں اور مصیبتوں کو برداشت نہیں کر سکتیں اس لئے

بچنے کی فکر میں رہتے ہیں، قربانی اور ایثار کی اگر کوئی توقع ہو سکتی ہی تو صرف نوجوانوں سے، جو والہانہ و مضطربانہ نتائج و عواقب سے بے نیاز ہو کر اپنی ہر چیز حریت و استقلال قومی کے لیے قربان کر دیتے ہیں۔ بنی اسرائیل کے نوجوانوں میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم سے یہ جذبہ پیدا ہو گیا تھا، فرعون نے اس فتنہ کو روکنے کی یہ تدبیر کی کہ نوجوانوں کو ذبح کرنا شروع کر دیا۔

یہ مظالم آپ کے سامنے ہیں، ان کو دیکھیئے، اور پھر گہری نظر سے دیکھیئے، فرعون کیا چاہتا ہی؟ یہ کہ:-

قوم حریت و اجتہاد فکر سے محروم رہے۔

مذہب و اخلاق سے اجنبی اور فسق و فجور میں مبتلا ہو۔

اپنے اباؤ اجداد کے روشن کارناموں کو فراموش کر دے اور قومی روایات سے دور جا پڑے۔

غلامی اور محکومی کی بوجھل بیڑیاں اس کے پاؤں میں ہمیشہ کے لیے رہیں۔

اپنی قوم کی آزادی کے خیال سے محروم ہو کر غلامی پر قناعت کر لے۔

اپنے تمام اوقات بیکاری میں صرف کر دے اس میں سستی اور کاہلی پیدا ہو جسم و جان کمزور و ناتوان ہوں

منافقت، بدعہدی اور دناءت نفس کا شکار رہو۔

مولانا اکبر مرحوم نے اپنے انداز خاص میں فرمایا ہی۔

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی

ارباب بصیرت خوب سمجھتے ہیں کہ مولانا نے کس طرح اس آیت کے نتائج و ثمرات کو اس شعر میں بیان کر دیا ہی جو آج کل کی تہذیب و شائستگی کا مغز اور نچوڑ ہیں۔

اسباب حیات

جس قوم کے قبضہ میں سامان حرب ہو، آلات جنگ کے استعمال سے واقف ہو اور ہمیشہ رزم گاہوں میں

شریک ہوتی ہو وہی قوم زندہ رہتی ہے اُسی کے قبضہ واقتدار میں ہر قسم کی طاقت ہوتی ہے، وہی حاکمانہ طور پر زندگی بسر کرتی ہے اور کسی کو ہمت نہیں ہوتی کہ اُس کے مقابلہ کا خیال بھی دل میں لا سکے، تمام دوسری قومیں مجبور ہوتی ہیں کہ اُس کے ہر فرمان کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیں :-

وننکر ان شئنا علی الناس قولھم — اور ہم اگر چاہیں تو لوگوں کی بات کا انکار کر دیں،
ولاینکرون القول حین نقول! — لیکن جب ہم کہیں تو کوئی ہماری بات رد نہیں کر سکتا

زمین و آسمان کی ہر چیز زندہ رہنے کی سعی و کوشش میں مصروف رہتی ہے، یہی تنازع للبقاء ہے اور اس کشمکش میں صرف اسی کو دائمی زندگی نصیب ہوتی ہے جس میں قوت و طاقت ہو، اور اس لیے اصلح و امثل ہو، یہی بقائے اصلح ہے، اور اسی کا دوسرا نام انتخاب طبیعی ہے۔

ٹھیک اسی اُصول کے مطابق قرآن حکیم نے اس کشمکش حیات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا :-

ولایزالون یقاتلونکم حتیٰ یردوکم — یہ کفار سدا تم سے لڑتے رہیں گے یہاں تک کہ ان کا بس چلے
عن دینکم ان استطاعوا، (۲ : ۲۱۷) — تو تم کو تمہارے دین سے برگشتہ کر دیں۔

اس تصادم اور باہمی جنگ و جدل کا علاج قرآن حکیم نے اس طرح بیان کیا :-

واعدوا لھم ما استطعتم من — اور مسلمانو! سپاہیانہ قوت سے، اور گھوڑوں کے باندھے رکھنے سے جہاں
قوۃ ومن رباط الخیل ترھبون بہ — تک تم سے ہو سکے کافروں کے مقابلہ کے لیے ساز و سامان مہیا کیے رہو کہ
عدو اللہ وعدوکم واٰخرین من دونھم — ایسا کرنے سے اللہ کے دشمنوں پر اور اپنے دشمنوں پر اپنی دھاک بٹھائے رکھو گے،
لاتعلمونھم اللہ یعلمھم (۸ : ۶۲) — اور نیز ان کے سوا دوسروں پر بھی جن کو تم نہیں جانتے اور اللہ ان کے حال سے خوب واقف ہے،

اور یہ دائمی حکم نافذ کر دیا کہ وقاتلوھم حتی لاتکون فتنۃ ویکون الدین للہ اور ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ ملک میں فساد باقی نہ رہے اور ایک خدا کا حکم چلے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان آیات کی یوں تفسیر کی :-

مسلمانوں کے بقاء وقیام کے لیئے ضروری ہو کہ وہ فریضۂ جہاد سے

الجہاد ماض الی یوم القیامۃ — ایک لمحہ کے لیے بھی غافل نہ ہوں، اور یہ فرض دائمی ہو کسی کے رُکے نہیں رُک سکتا۔

جب صحابہ کرام کی ایک جماعت میں یہ گفتگو ہوئی کہ ای الاعمال احب الی اللہ ساری نیکیوں اور عبادتوں میں سب سے زیادہ کونسا عمل اللہ کے نزدیک محبوب و مقبول ہو تو اس کے جواب میں سورۂ صف نازل ہوئی جس میں فرمایا:۔

ان اللہ یحب الذین یقاتلون فی سبیلہ صفا کانھم بنیان مرصوص (۶۱ : ۴)

اللہ اُن لوگوں کو محبوب رکھتا ہو جو اُس کی راہ میں صف باندکر اس استقامت اور جماؤ سے لڑتے ہیں گویا ایک دیوار ہو جو تلواروں کے سامنے کھڑی کردی گئی ہو، اور یہ دیوار بھی کیسی؟ ایسی جس کی ہر اینٹ دوسری اینٹ سے سیسہ ڈال کر جوڑ دی گئی ہو۔

جہاد فی سبیل اللہ کی فضیلت و برتری کے لیے صرف یہی ایک حدیث بس کرتی ہو جس کو امام بخاری نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہو، جس سے معلوم ہوگا کہ ختم نبوت کے اعلیٰ ترین مرتبہ کے باوجود رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح شہادت فی سبیل اللہ کی آرزو کرتے ہیں:۔

والذی نفسی بیدہٖ لوددت انی اقتل فی سبیل اللہ، ثم احیا، ثم اقتل ثم احیا ثم اقتل ثم احیا ثم اقتل

خدا کی قسم اگر ممکن ہوتا تو میں یہ چاہتا کہ اللہ کی راہ میں قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں پھر زندہ ہوں پھر قتل کیا جاؤں تاکہ اُس کی راہ میں جان دینے کی لذت و سعادت ایک ہی مرتبہ میں ختم نہ ہو جائے۔

تمنت سلیمی ان نموت بحبھا — سلیمی نے چاہا کہ ہم اُس کی محبت میں جان دیدیں۔

واھون شئ عندنا ما تمنت! — اور جو اُس نے خواہش کی وہ ہمارے نزدیک نہایت ہی آسان بات تھی۔

اگر کسی قوم کو فنا کرنا منظور ہو تو اُس کی آسان ترین صورت یہی ہو کہ اُس سے آلات حرب چھین لیے جائیں، ہر قسم کے سامان جنگ کا استعمال ممنوع قرار دیا جائے اور قانونی طور پر اُس کی خرید و فروخت بند کردی جائے، اس طریق عمل کا یہ لازمی نتیجہ ہوگا کہ تمام قوم خود بخود بے دست و پا ہو جائے گی، اُس کی

بہادری کے تمام جذبات حقہ پر عالم ممات طاری ہو جائے گا، پھر اس قوم کے کروڑوں افراد ہوں گے جو بکریوں اور بھیڑوں کے ریوڑ سے زیادہ حقیقت نہ رکھتے ہوں گے، ایک اجنبی انسان ہوگا جو ان لاکھوں جانوروں پر حکومت کرتا ہوگا، رعب و ہیبت کا یہ عالم ہوگا کہ حاکم کا نام سنتے ہی کانپ جائیں گے۔

ہر وہ حکومت جس کی بنیاد ظلم و جور، جبر و استبداد، اور قہر و غلبہ پر ہو، جو دلوں کی بجائے جسموں پر فرماں روائی کرتی ہو، جس کے تعلقات اپنی رعایا کے ساتھ محض تاجرانہ اُصول پر مبنی ہوں، وہ ہمیشہ اسی قانون کی پناہ لیتی ہے، اور اپنی ماتحت اجنبی رعایا سے ہر قسم کا سامان جنگ چھین لیتی ہے، قرآن حکیم ان حقائق عالیہ پر یوں روشنی ڈالتا ہے۔

وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ (۲ : ۴۶) اور اس وقت کو یاد کرو جب ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے نجات دی، جو تم کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچاتے تھے۔

اس بدترین عذاب کی تفسیر میں حسب ذیل اُمور داخل ہو سکتے ہیں جو بطور اعتبار کے اس آیت سے مستنبط ہو سکتے ہیں۔

(الف) فرعون نے بنی اسرائیل سے آلات حرب چھین لیے اور اب وہ اپنی فطری حرکت کو چھوڑ کر حکام کے اشاروں پر چلتے، انھیں کی کہتے، اُن کے احسانات کی یاد سے اُن کی زبانیں نغمہ سنج رہتیں، چوں کہ غلامی و محکومی کی وجہ سے تمام قوتیں بیکار ہو جاتی ہیں، اس لیے وہ دیکھتے تو اُن کی آنکھوں سے، سنتے تو اُن کے کانوں سے، اور غور و فکر کرتے تو انھیں کے القائے شیطانی کے مطابق، سچ ہے فانها لا تعمى الابصار ولكن تعمى القلوب التى فى الصدور (۲۲ : ۴۵) بات یہ ہے کہ کچھ آنکھیں اندھی نہیں ہوا کرتیں، بلکہ دل جو سینوں میں ہیں وہ اندھے ہو جایا کرتے ہیں، جو لوگ غلام و محکوم ہوتے ہیں، اُن پر ہر اعتبار سے یہ آیت صادق آتی ہے:۔ لهم قلوب لا يفقهون بها، ولهم اعين لا يبصرون بها، ولهم اذان لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اولٰئك كالانعام بل هم اضلّ اولٰئكَ هُمُ الغٰفلون (۷ : ۱۷۸)

اُن کے دل تو ہیں مگر اُن سے سمجھنے کا کام نہیں لیتے، اور اُن کی آنکھیں بھی ہیں، مگر اُن سے دیکھنے کا کام نہیں لیتے، اور اُن کے کان بھی ہیں، مگر اُن سے سُننے کا کام نہیں لیتے، غرض یہ لوگ چارپایوں کی طرح کے ہیں، بلکہ اُن سے بھی گئے گذرے ہوئے، یہی وہ لوگ ہیں جو بالکل بے خبر ہیں۔

(ب) فرعون تمام جلیل القدر عہدوں کو اپنی قوم کے لیے مخصوص کر لیتا، اور بنی اسرائیل کو نہایت ہی ذلیل اور ادنیٰ ترین کاموں کے لیے مجبور کرتا :-

"مصریوں نے خدمت کروانے میں بنی اسرائیل پر سختی کی، اور اُنھوں نے سخت محنت سے گارا اور اینٹ کا کام اور سب قسم کی خدمت کھیت کی کروا کے ان کی زندگی تلخ کی، اُن کی ساری خدمتیں جو وہ اُن سے کراتے تھے مشقت کی تھیں" (خروج، ۱: ۱۳ و ۱۴)

(ج) اگر قدرتی اسباب و ذرائع کی فیاضی سے ملک کی زرعی حالت قابل اطمینان ہوتی تو مصنوعی قحط ڈال کر گرانی پیدا کر دی جاتی۔

(د) کام کی اس قدر کثرت ہوتی کہ صبح سے شام تک لگاتار مصروف رہنے کے باوجود پھر بھی کم ہونے میں نہ آتا، کثرت کار اور ہجوم مشاغل کی وجہ سے اُن کی دماغی قوتیں بیکار ہو جاتیں، جسمانی قوتوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے، آنکھوں کی قوت جاتی رہتی، کان بہرے ہو جاتے، اور مسائل ملکی میں کبھی درس و فکر کا موقع نہ ملتا :- "تم اس میں سے کچھ کم نہ کرو کہ وہ کاہل ہیں، اس لیے وہ نالہ کرتے ہیں، اور کہتے ہیں ہمیں جانے دو کہ ہم اپنے خدا کے لیے قربانی کریں، اور ان کا کام بڑھا دیا جائے، تاکہ انہیں مشغول رہیں، اور بیہودہ باتوں کی طرف متوجہ نہ ہوں" (کتاب خروج، ۵: ۸ و ۹)۔

بیگار

چوں کہ بنی اسرائیل غلام و محکوم ہونے کی وجہ سے بالکل بے دست و پا ہو گئے تھے اُن کو بیگار کے لیے پکڑا جاتا، اُن سے کام لینے میں جبر و ظلم روا رکھا جاتا کوشش کی جاتی کہ انہیں کسی قسم کا آرام نہ ملے،

اول تو انہیں مزدوری ہی نہ ملتی، اور اگر ملتی بھی تو برائے نام:۔

ودخل المدينة على حين غفلة	اور ایک ایسی حالت میں جب کہ تمام شہر غافل تھا، موسیٰ
من اهلها فوجد فيها رجلين يقتتلن	شہر میں آئے اور دو آدمیوں کو دیکھا کہ لڑ رہے ہیں، ان میں ایک موسیٰ کی قوم
هذا من شيعته وهذا من عدوه (القصص)	کا تھا، اور دوسرا اُس کے دشمن کے گروہ کا۔

اس آیت سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حکام کو جب کبھی کوئی کام کرانا ہوتا تو بنی اسرائیل کے لوگوں کو زبردستی بے گار میں پکڑ لیتے، جانوروں کی طرح اُن کے ساتھ سلوک کرتے، چنانچہ وہ بنی اسرائیلی اسی لیئے موسیٰ کو دیکھ کر چیخ اُٹھا تھا:۔ "اور ان دنوں میں یوں ہوا کہ جب موسیٰ بڑا ہوا، تو اپنے بھائیوں کے پاس گیا، اور اُن کی مشقتوں کو دیکھا، اور دیکھا کہ ایک مصری، ایک عبرانی کو جو اس کے بھائیوں میں سے ایک تھا مار رہا ہے" (خروج، ۲: ۱۱ و ۱۲)

حاکم قوم کے تمام افراد تو اپنا وقت آرام سے گزارتے، مگر ان بنی اسرائیلیوں کے لیئے آرام کی صورت نہ تھی ان کا تمام وقت پیٹ پالنے کی خاطر روٹی کمانے میں صرف ہوتا، اور ہر قسم کی ذلت و رسوائی اور تکلیف و مصیبت برداشت کرتے۔

اپنی قومی حکومت کے گھمنڈ میں حاکم قوم، بنی اسرائیل کے ہر فرد کو اپنا زر خرید غلام خیال کرتی، اسے یقین تھا کہ سرزمین کنعان کا یہ مجبور گلہ صرف اسی لیے دیا گیا ہے کہ چارپایوں کی طرح اس کے آگے جھکے، اس لیئے وہ جس کو چاہتی جان سے مار ڈالتی، نہ تو ان مظالم کی باز پرس کرنے والا کوئی تھا، اور نہ کوئی ایسی عدالت تھی، جہاں بنی اسرائیل مرافعہ کر سکتے، اور اگر مرافعہ کرتے بھی تو فیصلہ ان کے خلاف ہوتا۔

زاویۂ نگاہ کا فرق

حقیقت یہ ہے کہ جب ایک انسان اپنے شرف و مجد کو اپنی ہی غلط کاریوں کی بنا پر کھو بیٹھتا ہے، اپنی فطرت صالحہ کو فراموش کر دیتا ہے، اور اپنی فضیلت و برتری کو ضائع کر دیتا ہے جو اسے تمام کائنات

ارضی و سماوی پر نوازش کی گئی تھی تو اُس کا یہی نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ بدترین خلائق بن جاتا ہے، تمام عزتیں اور بزرگیاں اُس سے چھین لی جاتی ہیں، اور وہ ذلت اور رسوائی کے لیے وقف ہو جاتا ہے۔

قرآن حکیم نے انسانی بزرگی و فضیلت پر مختلف مقامات میں نہایت تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اور بتایا ہے کہ انسان اشرف ترین مخلوقات ہے، سورہ بنی اسرائیل میں آتا ہے:۔

ولقد کرّمنا بنی آدم وحملنٰهم	اور ضرور ہم نے انسان کو عزت دی ہے اور خشکی اور تری میں ان کو سوار
فی البر والبحر ورزقنٰهم من الطیّبٰت	کر کے پھرایا، اُن کو سفر کرنے کے وسائل سمجھائے اور الوان نعمت سے
وفضّلنٰهم علیٰ کثیر ممّن خلقنا تفضیلا (۱۷: ۷۲)	ان کا رزق مقرر کیا، اور اپنی بہت سی مخلوقات پر اُن کو شرف بخشا۔

شرک و بُت پرستی کی ممانعت صرف اسی لیے کی گئی ہے کہ انسان جب سب سے اشرف و اعلیٰ ہے، تو وہ کیوں خدائے برتر کے سوا کسی اور چیز کے آگے جھکے جو رتبہ میں اس سے کمتر ہے، جس وقت بنی اسرائیل نے ایک قوم کو بُت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر حضرت موسیٰ سے درخواست کی کہ ہمیں بھی ایک بُت بنا دیجیے، تاکہ اُس کے آگے جھکیں تو موسیٰ نے اسی فضیلت و شرافت انسانی سے استدلال کر کے جواب دیا تھا، کہ تم زمین و آسمان کی ہر چیز سے افضل و اعلیٰ ہو، اس لئے تمہیں اللہ کے سوا کسی دوسری چیز کے آگے سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی جا سکتی:۔

قال اغیر اللّٰہ ابغیکم الٰھا وھو	موسیٰ نے کہا کہ میں تمہارے لیے اور معبود ڈھونڈ لاؤں؟ حالانکہ اُس نے
فضلکم علی العٰلمین، (۷: ۱۳۶)	تمہیں تمام عالم پر فضیلت و بزرگی عنایت کی ہے۔

سورہ والتین کا تو موضوع ہی یہی ہے کہ وہ انسان کی بزرگی کا اعلان عام کر دے، اور بتا دے کہ جب کہ دنیا کے تمام فلاسفہ اور حکما انسانی شرف و مجد کو معلوم کرنے سے عاجز رہے ہیں تو لسان الٰہی نے اس حقیقتِ مستورہ کو بے نقاب کرتے ہوئے فرمایا:۔ لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم، ہم نے انسان کو بہترین حالت عدل پر پیدا کیا ہے، عدل ہی خیر کی حقیقت ہے، اور وہ صرف شرف و عظمت ہی کے لیے ہے، وہی

خیر البریہ ہی، یہی وہ خصوصیت کبریٰ تھی جس کی بنا پر آدم کو ارض الٰہی کی خلافت نوازش کی گئی،
اور یہی سبب تھا کہ وہ مسجود ملائکہ قرار پایا:۔

نائب حق در جہاں بودن خوش است | بر عناصر حکمراں بودن خوش است

مگر جس وقت وہ اس حقیقت کو گم کر دیتا ہی، اخلاق و اعمال کی گندگی اور ناپاکی اس کے عقائد و یقینیات کے چشمۂ صافی کو متعفن و بدبودار بنا دیتی ہی، اُس کی فطرت صالحہ کا آئینہ طوفانوں اور آندھیوں سے گرد آلود ہو جاتا ہی، اور اپنی بزرگی و برتری کو کھو بیٹھتا ہی، تو پھر جانوروں سے بھی زیادہ ذلیل و حقیر ہو جاتا ہی، ایسے ہی لوگوں کی نسبت قرآن نے اعلان کیا: لهم قلوب لا يفقهون بها ولهم اعين لا يبصرون بها ولهم اذان لا يسمعون بها اولئك كالانعام بل هم اضل أولئك هم الغفلون، (۷: ۱۷۸) یہی الاعمیٰ، شر البریہ، اصحب النار، اور الذین نسوا الله فانساهم انفسهم ہیں، اور ختم الله على قلوبهم وعلى سمعهم وعلى ابصارهم غشاوة بھی ایسے ہی لوگوں کی نسبت کہا گیا ہی۔

اس غلامی و محکومی کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہی کہ ان محکوموں کی عقل جانوروں سے بھی کم ہو جاتی ہی، اور اس وقت ہر ایک شخص بغض و حسد کا پتلا بن جاتا ہی، وہ نہیں چاہتا کہ میں تو اس ذلت و رسوائی میں رہوں، اور میرا دوسرا بھائی ترقی کر جائے، اس لیے وہ اس کو فنا کرنے کی فکر میں لگ جاتا ہی، سورۂ مائدہ میں ہابیل و قابیل کا واقعہ بیان کیا گیا ہی، قابیل اپنے بھائی ہابیل کو صرف اس لیے قتل کرتا ہی کہ جب میری قربانی کو شرف قبول نہیں بخشا گیا تو اس کو یہ عزت کیوں نوازش کی گئی، مگر قتل کے بعد حیران و پریشان ہو کر پھرتا ہی، اُسے کچھ نہیں سوجھتا کہ اب لاش کے ساتھ کیا سلوک کرے، ایک کوا آ کر اس کو دفن کرنے کی ترکیب بتاتا ہی، اس پر قابیل کی آنکھیں کھلتی ہیں، اور وہ بصد حسرت و ندامت پکار اٹھتا ہی

یٰویلتیٰ اعجزت ان اکون مثل | کیا میں ایسا گیا گذرا ہوا کہ بلا سے اس کوے ہی جیسا

هٰذا الغراب فاوارِی سَوءَاةَ اخِی — ہوتا، تو اپنے بھائی کی فضیحت یعنی لاش کو چھپا دیتا، الغرض وہ

فاصبح من النادمین ، (۵: ۳۴) — اپنے کیئے پر بہت ہی پشیمان ہوا۔

وہ غلامی و محکومی کو دنیا کی انتہائی عزت و سربلندی خیال کرتا ہی، اسی پر قانع رہتا ہی، اگر حریت و آزادی کے لیے سعی و کوشش کی جائے تو کفر و ارباب کفر کی حکومت کے قیام و ثبات کی خاطر اس تحریک استقلال کی مخالفت کرتا ہی، اس کا مطمح نظر دولت و ثروت کی تلاش، اور اس کا مقصد اصلی عزت وجاہ، اور خطابات کی جستجو ہوتی ہی، اگر ارباب دجل و شیطنت کی طرف سے کبھی مروت و احسان، اور احترام و اکرام دیکھتا ہی تو اس کو اپنی کائنات حیات، اور سرمایۂ افتخار و ناز خیال کرتا ہے وہ اپنے عزیزوں اور دوستوں کو متروک و مہجور کرکے غیروں کی دوستی پر اتراتا ہی، اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کی نسبت فرمایا:-

بشر المنفقین بان لهم عذابا الیماه — منافقوں کو خوش خبری سنادو کہ ان کو دردناک عذاب ہونا ہی،

الذین یتخذون الکفرین اولیاء من — کہ یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں، کیا

دون المومنین ایبتغون عندهم العزة — کافروں کے ہاں اپنی عزت بڑھانا چاہتے ہیں ؟ تو عزت تو ساری

فان العزة للّٰه جمیعاه (۴: ۱۳۷ و ۱۳۸) — اللہ کی ہی۔

سرمایہ داری

ظالم حکومتوں کی ایک عادت یہ بھی ہی کہ وہ اپنی محکوم قوم میں سے بعض افراد کو اپنی اغراض مشئومہ کے لیئے چن لیتی ہی، اُن کے اعزاز و اکرام میں مبالغہ کرتی ہی، دولت و ثروت سے ان کو مالا مال کر دیتی ہی اور پھر خود انہی لوگوں کے ذریعہ اُن کی قوم پر ظلم و جور کرتی ہی، اُن کے حقوق پر غاصبانہ تصرف کرتی ہی، اور ان کی راہ ترقی کو مسدود کر دیتی ہی۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ — قارون موسیٰ کی قوم میں سے تھا اور ان پر تعدی کرتا تھا اور

فبغیٰ علیھم واٰتینٰہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوٓء بالعصبۃ اولی القوۃ، — ہم نے اُس کو اتنے خزانے دیے تھے کہ اُن کی کنجیاں ایک طاقتور جماعت کو اٹھانی مشکل ہوتیں۔ (۲۸ : ۷۶)

قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام ہی کی قوم کا ایک فرد تھا، مگر فرعون نے اس کو اپنے ساتھ ملا لیا، اسے قوت وطاقت دی، اور دولت سے سرفراز کیا، اب اس کی ہر سعی وکوشش اور غور وفکر کا مرکز یہی تھا کہ فرعون کی حکومت مضبوط ومحکم ہو اور اُس کی اپنی قوم اُس کے خلاف سر نہ اُٹھا سکے، اسے اپنی طاقت پر گھمنڈ تھا، سونے چاندی کے خزانوں نے اس کو مغرور وسرکش بنا دیا تھا اس لیے وہ اپنی قوم پر ظلم کرتا اور اُسے اُبھرنے نہ دیتا۔

لوگوں نے اسے سمجھایا کہ غیروں کے ساتھ مل کر اپنی قوم سے غداری کرنا ٹھیک نہیں سرمایہ داری کے غرور میں تم غریب ومفلس کو نہ بھولو اور ہر ایک کا حق ادا کرو، اس نے ان باتوں کی پروا نہ کی اور ظلم وعدوان میں بڑھتا ہی چلا گیا، آخر اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حریت وآزادی کا پیغامبر بنا کر بھیجا:۔

ولقد ارسلنا موسیٰ باٰیاتنا وسلطٰن مبین الیٰ فرعون وھامان وقارون فقالوا ساحرٌ کذّاب۔ (۴۰ : ۲۴) — اور ہم نے موسیٰ کو اپنی نشانیاں اور دلیل روشن دے کر بھیجا، فرعون، ہامان، اور قارون کی طرف، تو اُنھوں نے کہا کہ یہ تو جادوگر ہی جھوٹا۔

آخر جب یہ کسی طرح اپنی ناشائستہ حرکات سے باز نہ آئے تو سنت اللہ کے مطابق ان کے ساتھ وہی ہوا جس کے وہ حق دار تھے۔

فخسفنا بہ وبدارہ الارض فما کان لہٗ من فئۃٍ ینصرونہ من دون اللّٰہ وما کان من المنتصرین (۲۸ : ۸۱) — پس ہم نے قارون کو اور اُس کے گھر کو زمین میں دھنسا دیا، تو خدا کے سوا کوئی جماعت اُس کی مددگار نہ ہو سکی اور نہ وہ بدلہ لے سکا۔

نعمت عظمیٰ

ملوکیت اور سرمایہ داری یہ دو سب سے بڑی لعنتیں ہیں جو ابن آدم پر اُس وقت مسلط کر دی جاتی ہیں جب وہ حق کو ٹھکراتا ہے اور باطل کی سرپرستی میں منہمک ہو جاتا ہے، اللہ نے اسلام کو بھیجا کہ وہ انکی بیخ کنی کرے چنانچہ حضرت شاہ ولی اللہ قدس سرہ اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم کے باب میں بعثت نبوی کا راز اس طرح بیان فرماتے ہیں:۔

اعلم ان العجم والروم لما توارثوا الخلافة قروناً كثيرةً وخاضوا في لذة الدنيا ونسوا الدار الاخرة واستحوذ عليهم الشيطن تعمقوا في مرافق المعيشة وتباهوا بها وورد عليهم حكماء الآفاق يستنبطون لهم دقائق المعاش ومرافقه فما زالوا يعملون بها ويزيد بعضهم على بعض ويتباهون بها حتى قيل انهم كانوا يعيرون من كان يلبس من صناديدهم منطقةً او تاجاً قيمتها دون مائة الف درهم او لايكون له قصر شامخ وابزن وحمام وبساتين ولايكون له دواب فارهة وغلمان حسان ولايكون له توسع في المطاعم وتجمل في الملابس وذكر ذالك

معلوم کرنا چاہیئے کہ جب عجم اور روم کے لوگ مدت ہائے دراز سے سلطنت کے مالک ہوتے چلے آئے اور دار آخرت کو بھول کر دنیوی لذت میں بھرپور ہو گئے اور شیطان اُن پر غالب آگیا، تو انھوں نے معیشت کے منافع میں بہت خوض کیا اور انھیں اُمور کو مایۂ ناز قرار دیا۔

اطراف عالم سے حکما اُن کے پاس آپہونچے، یہ لوگ معاش کی منافع کو ان کے لئے مستنبط کرتے رہے اور وہ ہمیشہ ان امور پر عمل درآمد کرتے رہے، ہر ایک شخص دوسرے پر ان امور میں سبقت کرنے اور فخر کرنے کا ساعی رہا، آہستہ آہستہ یہاں تک نوبت پہنچ گئی کہ اگر اُن میں سے کسی رئیس کی پیٹی یا تاج کی قیمت ایک لاکھ درہم سے کم ہوتی تھی تو اُس پر طعن و تشنیع کرتے تھے، اُن کی نظر میں بڑا عیب تھا کہ کسی رئیس کے پاس نہایت بلند ایوان، آبزن، حمام، باغات نہ ہوں، آرام کے لیے چار پائے نہ ہوں، یا خوبصورت غلام نہ ہوں، کھانوں میں زیادہ وسعت اور لباس میں تجمل نہ ہو

بطول، وما تراه من ملوك بلادك يغنيك
عن حكاياتهم فدخل كل ذلك في اصول
معاشهم وصار لا يخرج من قلوبهم الا ان
تنزع وتولد من ذلك داء عضال دخل
في جميع اعضاء المدينة وآفة عظيمة لم
يبق منهم احد من اسواقهم ورستاقهم
وغنيهم وفقيرهم الا قد استولت عليه
واخذت بتلابيبه واعجزته في نفسه
واهاجت عليه غموماً وهموماً لا ارجاء
لها وذلك ان تلك الاشياء لم يكن
لتحصل الا ببذل اموال خطيرة ولا تحصل
تلك الاموال الا بتضعيف الضرائب على
الفلاحين والتجار واشباههم والتضييق
عليهم فان امتنعوا قاتلوهم وعذبوهم
وان اطاعوا جعلوهم بمنزلة الحمير
والبقر يستعمل في النضح والدياس و
الحصاد ولا تقتنى الا ليستعان بها
في الحاجات ثم لا تترك ساعة من
العناء حتى صاروا لا يرفعون رؤسهم

علی ہذا القیاس اور کئی باتیں تھیں جن کے ذکر میں طول ہے اور اپنے شہروں کے سلاطین کے حالات جو تم خود دیکھ رہے ہو اُن کے ہوتے ہوئے ان گذشتہ حالات کی کیا ضرورت ہے۔

بہرحال یہ سب باتیں اُن کے اصول زندگی میں داخل ہو گئی تھیں اُن کے دلوں کو ریزہ ریزہ کیے بغیر یہ باتیں ان سے نکلنے والی نہ تھیں، ایسی بے اعتدالیوں سے اعضائے شہر میں ایک نہایت سخت بیماری سرایت کر گئی تھی اور بڑی آفت برپا ہو گئی تھی، رعایا، دہقان، اہل امیر و غریب میں سے کوئی ایسا شخص باقی نہ رہا تھا جس پر عیش و آرام مسلط نہ ہو گیا ہو، اُن کو تھکا تھکا کر بے انتہا مصائب اور رنج و غم میں نہ پھنسا دیا ہو، یہ عیش و آرام زیادہ تکلیف کا باعث اس لیے ہو گیا تھا کہ جب تک بہت سا مال نہ صرف کیا جائے یہ لطف حاصل نہیں ہو سکتا اور مال کی اتنی مقدار پیدا کرنے کے لیے ضروری ہے کہ کاشتکاروں تاجروں اور پیشہ وروں پر ٹیکس زیادہ کیے جائیں، وہ خوب تنگ کیے جائیں۔

اگر یہ لوگ ٹیکسوں کے ادا کرنے سے دست کشی کریں تو حکام کو ان سے لڑنا پڑیگا، طرح طرح کی ان کو تکلیف دینا ہو گی، اور اگر وہ لوگ ان کے احکام کی تعمیل کرتے رہیں گے تو حکام گدھے اور بیل کا سا اُن کا درجہ کر دیں گے، جو آب پاشی جوتنے اور اناج کی کٹائی میں استعمال کیے جاتے ہیں صرف اپنی مطلب برآری کے لیے یہ چارپائے ذخیرہ

الى السعادة الاخروية اصلاً ولا يستطيعون
ذلك وربما كان اقليم واسع ليس
فيهم احد همته دينه ولم يكن
ليحصل ايضاً الا بقوم يتكسبون
بتهيئة تلك المطاعم والملابس و
الابنية وغيرها ويتركون اصول
المكاسب التى عليها بناء نظام العالم
وصار عامة من يطوف عليهم يتكلفون
محاكاة الصناديد فى هذه الاشياء
والا لم يجدوا عندهم حظوة ولا
كانوا عندهم على بال وصار جمهور
الناس عيالا على الخليفة يتكففون
منه تارة على انهم من الغزاة والمدبرين
للمدينة يترسمون برسومهم ولا يكون
المقصود دفع الحاجة ولكن القيام
بسيرة سلفهم وتارة على انهم شعراء
جرت عادة الملوك بصلتهم وتارة
على انهم زهاد وفقراء يقبح من الخليفة
ان لا يتفقد حالهم فيضيق بعضهم بعضاً

کیئے جاتے ہیں، ایک گھنٹہ محنت سے اُن کو فرصت نہیں ملا کرتی،
اُمرا ایسے ہی گرفتارِ بلا ہو کر سعادتِ اخروی کی طرف سر اُٹھا کر نہیں
دیکھتے، اور اُن کے اندر یہ صلاحیت ہی نہیں رہتی، اور بسا اوقات
ایک بہت بڑے ملک میں ایک شخص بھی ایسا نہیں ہوتا، جس کو دین کا
اہتمام اور خیال ہو، اور نیز یہ سب عیش کے سامان ایسے ہی لوگوں
کے ذریعہ سے حاصل ہوا کرتے ہیں جن کا پیشہ یہی ہوتا ہے کہ کھانے کی
چیزیں، لباس، عمارت وغیرہ کو درستی سے کرتے رہیں، ایسے لوگ پیشوں
کے اُن اصول سے پہلو تہی کرتے ہیں، جن پر نظامِ عالم کا مدار ہے۔

ان کے علاوہ اور عام لوگ جو بڑے لوگوں کی حضوری میں رہتے
ہیں، ان سب اُمور میں اُن ہی کی نقل کرتے ہیں، ورنہ اُن کو اُن اُمراء
کی خدمت میں باریابی نہ ہو، اُن کے دلوں میں اُن کی کچھ وقعت
نہ رہے، اور اکثر لوگ بادشاہ پر بار ہو جاتے ہیں، اس پر وہ مختلف طریقوں
سے متقاضی رہا کرتے ہیں، بعض دعوی کرتے ہیں کہ ہم غازی اور شہر
کے منتظم ہیں، ایسے لوگوں کی وہ روش تو اختیار کر لیتے ہیں، لیکن اپنے
فرائض ادا کرنے کا کچھ بھی قصد نہیں کرتے، صرف اپنے بزرگوں کے
حالات ہی کے پیرو رہا کرتے ہیں، اور بعض دعویٰ کرتے ہیں کہ ہم شاعر ہیں،
جن پر انعام و اکرام کرنے کے سلاطین عادی ہوا کرتے ہیں، بعض کہتے
ہیں کہ ہم درویش و پارسا ہیں، بادشاہوں کو زیبا نہیں ہے کہ ان کی طرف
سے غفلت برتے اس واسطے کہ یہ فرقے ایک دوسرے کی تنگدلی کر

ويتوقف مكاسبهم على صحبة الملوك
والرفق بهم وحسن المحاورة معهم
والتملق منهم وكان ذلك هو الفن
الذى يتعمق افكارهم فيه ويضيع
اوقاتهم معه فلما كثر هذه الاشغال
تشبح فى نفوس الناس هيأت خسيسة
واعرضوا عن الاخلاق الصالحة وان شئت
ان تعرف حقيقة هذا المرض فانظر الى
قوم ليست فيهم الخلافة ولاهم متعمقون
فى لذائذ الاطعمة والالبسة تجد كل
واحد منهم بيده امره وليست عليه من
الضرائب الثقيلة ما يثقل ظهورهم فهم
يستطيعون التفرغ لامر الدين والملة
ثم تصور حالهم لو كان فيهم الخلافة وملاءها
وسخروا الرعية وتسلطوا عليهم فلما عظمت
هذه المصيبة واشتد هذا المرض سخط
عليهم الله والملائكة المقربون وكان
رضاه تعالى فى معالجة هذا المرض
بقطع مادته فبعث نبيا اميا

باعث ہوتے ہیں اور ان کے ذرائع معاش اسی پر موقوف ہوتے
ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں رہیں ان سے نیاز مندانہ
پیش آئیں، تہذیب سے ان کے ساتھ گفتگو کریں، ان کی چاپلوسی
کرتے رہیں، اسی فن میں ان کی عقل منہمک رہتی ہے، اس کی وجہ
سے ان کے اوقات غارت ہوتے ہیں، جب اس قسم کے مشغلے زیادہ
بڑھ جاتے ہیں، تو ان کے دلوں میں پوچ اور فضول باتیں جاگزیں
ہوجاتی ہیں اور عمدہ اخلاق سے وہ اعراض کرتے رہتے ہیں۔

اگر تم کو اس مرض کی اصلی حقیقت معلوم کرنی ہو تو ان
لوگوں کی حالت میں غور کرو جن کو امور سلطنت سے آزادی
ہوتی ہے لذیذ کھانوں اور عمدہ لباسوں میں ان کو انہماک نہیں ہوتا
ہر شخص ان میں سے آزادانہ زندگی بسر کرتا ہے گراں ٹیکسوں کا بار
ان پر نہیں ہوتا، ایسے لوگوں کو اپنے دین اور ملت کی خدمت
کرنے کی توفیق ملتی ہے، پھر ان ہی لوگوں کی اس حالت کو خیال
کرو کہ ان کے ہاتھ میں زمام خلافت آجائے، رعایا کو وہ اپنا مطیع
بنا کر ان پر اپنا قبضہ کرلیں۔

جب ایسی مصیبت زیادہ بڑھ گئی اور اس قسم کی بیماری بہت
سخت ہوگئی تو اس وقت خدائے تعالے اور ملائکہ مقربین نے ان پر
غصہ ظاہر فرمایا، خدا کی مرضی ہوئی کہ اس مادہ فساد کو بالکل قطع
کردے اسی غرض کے پورا کرنے کے لئے اس نے ایک نبی امی

صلی اللہ علیہ وسلم لم یخالط العجم
والروم ولم یترسّم برسومھم و
جعلہ میزانا یعرف بہ الھدی الصالح
المرضی عند اللہ من غیر المرضی
وانطقہ بذمّ عادات الاعاجم وقبح
الاستغراق فی الحیوٰۃ الدنیا و
الاطمینان بھا ونفث فی قلبہ ان
یحرّم علیھم رؤس ما اعتادہ الاعاجم
وتباھوا بھا کلبس الحریر والقسی
والارجوان واستعمال اوانی الذھب
والفضّۃ وحلی الذھب غیر المقطع
والثیاب المصنوعۃ فیھا الصّور
وتزویق البیوت وغیر ذلک
وقضی بزوال دولتھم بدولتہ
وریاستھم بریاستہ وبانّہ
ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ و
ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا، جس کا عجم اور روم سے کسی قسم کا میل جول نہ ہوا تھا، اُن کے رسوم کو اُس نے بالکل اختیار نہ کیا تھا، اس پیغمبر کو خدائے تعالیٰ نے میزان قرار دیا جس کو اُن طریقوں کی پوری شناخت تھی جو خدا کے نزدیک پسندیدہ و ناپسندیدہ تھے اُس نے عجمیوں کی رسموں کی مذمت بیان کی، اور دنیاوی زندگی میں مستغرق ہو جانے کی قباحتیں ظاہر کیں، اس پیغمبر کے دل میں خدا تعالیٰ نے القا فرمایا کہ لوگوں پر وہ اُمور حرام کر دے جن کے عجمی لوگ خوگر ہو گئے تھے جن کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے: مثلاً ریشم کا استعمال، ارغوانی لباس، سنہری اور روپہلے برتن، سنہری زیور، ایسے کپڑے جن میں تصویریں بنی ہوئی ہوں، مکانوں پر نقش و نگار کرنا وغیرہ خدا تعالیٰ نے فیصلہ کیا کہ اس کی دولت سے اُن کی دولتوں کا استیصال کر دے، اور اُس کی ریاست سے اُن کی ریاستوں کو نیست و نابود کر دے، اُس کے وجود سے کسریٰ ہلاک ہو جائے، اب اس کے بعد کوئی کسریٰ نہ ہونے پائے، اور نیز اس کے ذریعہ سے قیصر بھی ہلاک ہو جائے پھر کوئی قیصر نہ ہو)

حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۱۱۰ و ۱۱۱۔

حرمت سود

دوسری جگہ حرمت سود کی نسبت تحریر کیا:-

وسرّ التحریم ان اللّٰہ تعالٰی یکرہ الرفاھیة البالغة کالحریر والارتفاقات المحوجة الی الامعان فی طلب الدنیا کآنیة الذھب و الفضة وحُلی غیر مقطّع من الذھب کالسوار والخلخال والطوق والتدقیق فی المعیشة والتعمق فیھا لان ذٰلک مُردٍ لھم فی اسفل السافلین صارفٌ لافکارھم الی الوانٍ مظلمةٍ۔

اور سود کے حرام ہونے میں حکمت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو نہایت عیش پسندی مثلاً ریشم کا لباس پہننا ناپسند ہے، اور علی ہذا القیاس وہ ارتفاقات جن میں طلب دنیا کے اندر غرق ہونے کی حاجت پڑتی ہے، جیسے سونا چاندی کے برتنوں کا استعمال کرنا، اُن زیورات کا پہننا جو بڑے بڑے زیور ہیں، اور گھڑ کر بنائے جاتے ہیں، جیسے کنگن، گوجری، اور ہنسلی وغیرہ، اور کھانے پینے میں زیادہ تکلف کرنا، کیونکہ یہ اُمور لوگوں کو اسفل السافلین میں گرا دیتے ہیں اور اُن کی فکروں کو تاریک رنگوں کی طرف پھیرنے والے ہیں۔ حجۃ اللہ البالغہ صفحہ ۲۹۶۔

غلامی کے اثرات

اللہ تعالیٰ کا سب سے بڑا عذاب جو کسی قوم پر نازل ہوتا ہے یہ ہے کہ اس پر غیروں کو حاکم بنا دیا جائے۔ ضُرِبَتْ عَلَیْھِمُ الذِّلَّةُ کی یہی تفسیر کی گئی ہے، اس سے قوم کے تمام شریفانہ جذبات فنا ہو جاتے ہیں، فاسد خیالات، ذلیل عواطف اور ناپاک رجحانات کا غلبہ اور تسلط ہو جاتا ہے اور آخر قوم پر عالم ممات طاری ہو جاتا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر اپنی قوم کو لے کر نکلتا ہے کہ انہیں آبائی وطن دشمن سے واپس دلادے، مگر دیکھیے وہ کیا جواب دیتے ہیں، پہلے انہیں یوں جوش دلایا جاتا ہے کہ تم انبیا کی اولاد ہو، بادشاہت تمہارے گھر کی لونڈی ہے، اور تمہیں ایسے ایسے فضائل و کمالات دیئے گئے ہیں کہ دنیا میں اُن کی نظیر نہیں ملتی۔

واذ قال موسیٰ لقومہٖ یٰقوم اذکروا

جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ بھائیو! اللہ نے جو تم پر احسانات

نِعمۃ اللہ علیکم اذ جعل فیکم انبیاء وجعلکم مُلوکاً وَّ آتاکُم مالم یُوتِ اَحداً مِنَ العالمین (۵ : ۲۰)

کیئے ہیں اُن کو یاد کرو، کہ اس نے تم میں پیغمبر بنائے اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ وہ نعمتیں دیں جو دنیا جہان کے لوگوں میں سے کسی کو نہیں دیں۔

اللہ کا فیصلہ یہ ہے کہ اس ملک پر تمہارا قبضہ ہو کر رہے گا، جس میں دودھ اور شہد کی نہریں بہتی ہیں، لیکن شرط یہ ہے کہ استقلال و ثبات قدم سے کام لو اور پیچھے ہٹنے کا خیال بھی نہ آنے پائے:

یاقوم ادخلوا الارض المقدسۃ التی کتب اللہ لکم ولا ترتدوا علیٰ ادبارکم فتنقلبوا خاسرین (۵ : ۲۱)

بھائیو! شام کا مقدس ملک جو خدا نے تمہاری تقدیر میں لکھ دیا ہے اس میں داخل ہو، اور پیٹھ نہ پھیرنا، ورنہ اُلٹے گھاٹے میں آجاؤ گے۔

غور کیجیے کتنا جوش انگیز و ولولہ خیز خطبہ ہے کہ مردے بھی زندہ ہو جائیں، مگر ان کی قوم جو چار سو سال سے فرعون کی غلام چلی آرہی تھی کیا یاس انگیز جواب دیتی ہے۔

قالوا یاموسیٰ ان فیہا قوماً جبارین و انا لن ندخلہا حتیٰ یخرجوا منہا فان یخرجوا منہا فانا داخلون قال رجلان من الذین یخافون انعم اللہ علیہما ادخلوا علیہم الباب فاذا دخلتموہ فانکم غالبون وعلی اللہ فتوکلوا ان کنتم مؤمنین قالوا یاموسیٰ انا لن ندخلہا ابداً مادامو فیہا فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰہنا قاعدون قال رب انی لا املک الا نفسی واخی فافرق بیننا وبین القوم

وہ لگے کہنے کہ اے موسیٰ اس ملک میں تو بڑے زبردست لوگ ہیں، اور جب تک وہ وہاں سے نہ نکل جائیں، ہم تو اس میں قدم رکھتے ہیں نہیں، ہاں وہ لوگ اس میں سے نکل جائیں تو ہم ضرور داخل ہوں گے، خدا کا ڈر ماننے والوں میں سے دو آدمی تھے کہ ان پر خدا نے مہربانی کی، اور وہ بول اُٹھے اُن پر دروازے میں تو گھس پڑو، اور جب تم دروازے میں گھس پڑے تو بلا شبہ تمہاری فتح ہے اگر تم ایمان رکھتے ہو تو اللہ ہی پر بھروسہ رکھو، وہ بولے اے موسیٰ جب تک اُس میں دشمن ہیں ہم تو کبھی بھی اُس میں قدم نہیں رکھیں گے، ہاں تم اور تمہارا خدا جاؤ اور لڑو، ہم تو یہیں بیٹھے ہیں، اس پر موسیٰ نے

الفسقین۔ قال فانہا محرمۃ علیہم اربعین سنۃ یتیہون فی الارض فلا تاس علی القوم الفسقین (۵: ۲۲ تا ۲۶)	دعا کی کہ اے میرے پروردگار اپنی ذات خاص اور میرے بھائی کے سوا اور کوئی میرے بس کا نہیں، تو ہم میں اور ان نافرمان لوگوں میں امتیاز کیجیو، خدا نے فرمایا اچھا تو وہ ملک چالیس برس تک ان کو نصیب نہ ہوگا جنگل میں بھٹکے بھٹکے پھریں گے، تو تم نافرمان لوگوں پر افسوس نہ کرنا۔

غلامی اور محکومی کیسی بری بلا ہے کہ

(الف) یہ لوگ جب مصر سے نکلے تھے تو حضرت موسیٰ کے ہاتھ پر یہ عہد کر کے نکلے تھے کہ ہم اپنے آبائی وطن کو لینے کے لیے ہر ممکن قربانی کریں گے، مگر غلامی انہیں اپنے عہد پر قائم نہیں رہنے دیتی، اور آگے بڑھنے سے صاف انکار کر دیتے ہیں۔

(ب) اس قدر بزدل اور بے حس ہو گئے ہیں کہ اپنے باپ دادا کی میراث لینے کے لیے بھی ان میں کوئی جوش نہیں پیدا ہوتا۔

(ج) ہمت پست ہو جاتی ہے، غلامی پر قانع ہو کر ایثار و قربانی سے گریز کرتے ہیں، اور موت سے گھبراتے ہیں،

اس کا نتیجہ

ان ناشائستہ حرکات کی سزا ان بدبختوں کو یہ دی گئی کہ چالیس سال تک اس پاک زمین میں ان کا داخلہ بند کر دیا گیا تاکہ اس زمانے میں وہ تمام لوگ فنا ہو جائیں جن کے دل و دماغ پر غلامی کے جراثیم مسلط ہیں، دوسری نسل پیدا ہو جو آزاد سرزمین میں نشو و نما پائے جہاں اللہ کے سوا اور کسی کی حکومت نہ ہو اور اس کے ذریعہ اس ارض مقدس پر قبضہ کیا جائے۔

عقل و تمیز

غلامی کے نتائج فاسدہ اسی جگہ پر ختم نہیں ہو جاتے یہ ایسی متعدی بیماری ہے کہ اس کا سلسلہ ختم ہونے میں نہیں آتا، قوم کی عقل و خرد پر عالم ممات طاری ہو جاتا ہے، حق و باطل، اچھے اور برے کی تمیز

اٹھ جاتی ہے، ہر شعبدہ باز اور سامری صفت اُٹھتا ہے اور جس طرف چاہتا ہے قوم کو لے جاتا ہے، قوم میں اتنی بھی سمجھ باقی نہیں رہتی کہ وہ اپنے رہ نماؤں میں تمیز کر سکے، سامری کا قصہ پڑھیے اور دیکھیے، اس کا ایک ایک لفظ ہم پر منطبق ہو رہا ہے۔

لٰکِنَّا حُمِّلْنَآ اَوْزَارًا مِّنْ زِیْنَةِ الْقَوْمِ فَقَذَفْنٰھَا فَکَذٰلِکَ اَلْقَی السَّامِرِیُّ فَاَخْرَجَ لَھُمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّہٗ خُوَارٌ فَقَالُوْا ھٰذَآ اِلٰھُکُمْ وَاِلٰہُ مُوْسٰی فَنَسِیَ (۲۰: ۸۷، ۸۸)

بلکہ قوم کے زیوروں کا بوجھ ہم پر لاد دیا گیا تھا اب ہم نے اس کو ڈالا اور اسی طرح سامری نے بھی ڈالا پھر اُس نے لوگوں کے لیے بچھڑا نکال کھڑا کیا یعنی بُت جس کی آواز بچھڑے کی تھی اس پر لوگ کہنے لگے کہ یہی تو تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا معبود، وہ بھول گیا ہے!

دیکھیے غلامی نے ان کی عقل پر کیسے پردے ڈال دیئے اور ذرا غور و فکر نہ کیا کہ:

اَفَلَا یَرَوْنَ اَلَّا یَرْجِعُ اِلَیْھِمْ قَوْلًا وَّلَا یَمْلِکُ لَھُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا (۲۰: ۸۹)

کیا ان لوگوں کو اتنی بات بھی سوجھ نہ پڑتی تھی کہ بچھڑا ان کی بات کا نہ تو اُلٹ کر جواب دے سکتا ہے اور نہ ان کے کسی نقصان کا مالک ہے اور نہ کسی نفع کا۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے یہ دیکھ کر انھیں فرمایا:

یٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِہٖ وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَاَطِیْعُوْٓا اَمْرِیْ (۲۰: ۹۰)

بھائیو! یہ تو اس کے ذریعے سے تمہاری آزمائش کی جا رہی ہے ورنہ تمہارا پروردگار رحمٰن ہے، تو میرے کہنے پر چلو اور میری بات مانو۔

مگر وہ لوگ کب ان کی سُننے والے تھے اس لیے انھوں نے دو ٹوک جواب دیا:

لَنْ نَّبْرَحَ عَلَیْہِ عٰکِفِیْنَ حَتّٰی یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰی (۲۰: ۹۱)

ہم برابر اس بچھڑے کی پرستش پر جمے رہیں گے جب تک موسیٰ لوٹ کر ہمارے پاس نہ آئیں۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ:

غلامی میں انسان کی عقل ماری جاتی ہے۔

حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔
ہر شخص آسانی کے ساتھ دھوکا دے سکتا ہے اور دھوکا کھا سکتا ہے۔
امتحان کی آزمائش میں کوئی پورا نہیں اترتا۔

محصولات

رعایا کی انتہائی غربت و ناداری اور ذلت و نکبت، حاکم قوم کے دل میں نفرت و حقارت کے جذبات خبیثہ پیدا کر دیتی ہے، پہلے وہ اگر صرف ان لوگوں کی دشمن تھی جو اپنی عاجز و درماندہ اور محکوم قوم میں حق و حریت کا احساس پیدا کرنے کے آرزومند ہوتے ہیں اور اس سعی و کوشش میں اپنی تمام زندگی صرف کر دیتے ہیں، تو اب جب کہ تمام قوم میں حس و بیداری نمایاں طور پر ظاہر ہونے لگتی ہے تو وہ ان سب کو فنا کرنے کی فکر میں لگ جاتی ہے اور اس کا منشا یہ ہوتا ہے کہ بن پڑے تو تمام قوم کو اس سرزمین سے نکال باہر کرے، گھر سے بے گھر ہو کر فقیر و ں کی زندگی بسر کرے اور بتدریج اس کا نام و نشان دنیا سے مٹ جائے:۔

فاراد ان یستفزھم من الارض (۱۷: ۱۰۵) — پھر فرعون نے چاہا کہ بنی اسرائیل کو کسی طرح ملک سے اکھیڑ دے کہ رہنے نہ پائیں۔

مگر اس کے ارکان سلطنت نے ایسا کرنے سے روکا، اور کہا کہ اگر یہ لوگ چلے گئے تو جس قدر ادنیٰ اور معمولی درجہ کے کام ہیں، وہ بھی ہم ہی لوگوں کو کرنے پڑیں گے اس لیئے ان کی جلاوطنی قرین عقل و انصاف نہیں، بلکہ انھیں سرزمین مصر ہی میں رہنے کے لیے مجبور کیا جائے۔ غیر ملک کے پروانہ ہائے راہ داری سے انھیں محروم کر دیا جائے۔ ہماری کوشش یہی ہو کہ وہ ہمیشہ غریب و نادار ہی رہیں، اور ان پر مختلف قسم کے ٹیکس لگا دیئے جائیں کہ ان کے بوجھ سے دبیں اور ابھرنے نہ پائیں، اس پر فرعون نے اپنے لوگوں سے کہا: "دیکھو، بنی اسرائیل کے لوگ ہم سے زیادہ اور قوی تر ہیں، آؤ ہم ان سے دانش مندانہ معاملہ کریں، تا نہ ہووے کہ جب وہ اور زیادہ ہوں، اور جنگ پڑے تو وہ ہمارے دشمنوں سے مل جاویں، اور ہم سے لڑیں، اور ملک سے نکل جائیں، اس لیئے

انھوں نے ان پر خراج کے لیے محصل بٹھلا دیئے تا کہ انہیں سخت کاموں کے بوجھوں سے ستاویں۔"

(خروج، ۱: ۹ تا ۱۱)

خارجی تعلقات

بنی اسرائیل مدت ہائے دراز سے فرعون کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے ہیں، اس کی کوشش یہ ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ اسی کے غلام و محکوم رہیں، جبر و استبداد سے اپنے آپ کو بادشاہ اور خدا تسلیم کرانا چاہتا ہے، اس کا مقصد حیات یہی ہے کہ یہ عاجز و درماندہ جماعت اسی کی چوکھٹ پر سر دھرے، اسی کے آگے دست سوال دراز کرے، کسی بیرونی طاقت اور خارجی حکومت سے اپنے تعلقات و روابط نہ رکھے، اسے یہ اندیشہ تھا کہ بلاد اجنبیہ سے رشتۂ مودت جوڑ کر یہ کہیں میرے خلاف فتنہ نہ کھڑا کر دے، ممالک خارجہ کے حالات و واقعات سن کر ان میں جوش و ہیجان پیدا ہوگا، آزادی کے خیالات اور استقلال قومی کے جذبات سے معمور ہو کر اس ظالم و جابر حکومت کی بنیادوں کو متزلزل کر دے گی۔ چنانچہ جس وقت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا کہ میں زمین و آسمان کے پیدا کرنے والے کی طرف سے بھیجا گیا ہوں کہ اپنی قوم کو تمہارے پنجۂ قہر و ظلم سے نجات دلواؤں، تو اس نے چھوٹتے ہی کہا:-

لئن اتخذت الٰھاً غیری	اگر تو نے میرے سوا کسی اور کو خدا مانا تو میں تجھ کو
لاجعلنک من المسجونین (۲۶: ۲۸)	قیدیوں میں لے جا داخل کر دوں گا۔

اس سے فرعون کا یہی مقصد تھا کہ میرے سوا کسی اور خارجی طاقت سے تعلق نہ رکھیں اور نہ اس کو اپنا مذہبی امام و پیشوا تسلیم کریں، پھر اس نے اسی پر قناعت نہ کی، بلکہ اس قوت کو فنا کرنے کے لیئے ہر قسم کی تیاری شروع کر دی، اور دوسرے لوگوں کو بھی تیاری کا حکم دیا، اسے یقین تھا کہ جس طاقت سے موسیٰ نے اپنا رشتہ قائم کیا ہے، وہ کمزور و ناتوان ہے، اور اس لیئے اس کو آسانی کے ساتھ تباہ کیا جا سکتا ہے، چونکہ اس طاقت کی جلالت قدر، اور کبریائی سے واقف نہ تھا اس لیئے اس نے نہایت ہی تمسخرانہ انداز میں اپنے وزیر سے کہا:

فاوقد لی یٰھامٰن علی الطین فاجعل لی صرحا لعلّی اطّلع الیٰ الٰہ موسیٰ وانی لاظنه من الکٰذبین ٥ واستکبر ھو وجنودہ فی الارض بغیر الحق وظنوا انھم الینا لایرجعون، (۲۸ : ۳۸ و ۳۹)

اے ہامان! اچھا تو ہمارے لیے مٹی کی اینٹوں کو آگ لگا، پزاوے پکوا ان سے ہمارے لیئے ایک پکا محل بنوا تاکہ ہم اس پر چڑھ کر موسیٰ کے خدا کو جھانکیں، اور ہم تو اس دعوی میں موسےٰ کو جھوٹا ہی سمجھتے ہیں، اور فرعون اور اُس کے لشکروں نے ناحق ملک میں بہت سر اُٹھایا، اور اُنھوں نے ایسا سمجھا کہ وہ ہماری طرف لوٹا کر نہیں لائے جائیں گے۔

دنیاداروں، مادّہ پرستوں اور ظالم و جابر حکومتوں نے روحانی طاقتوں کے اثر و نفوذ اور ثمرات و نتائج کے اندازہ کرنے میں ہمیشہ غلطی کی ہے، جس وقت نوح کو کشتی بناتے وقت اُن کی قوم نے للکارا ہے اور اُن پر استہزا کیا ہے تو وہ بھی اسی غلطی میں مبتلا تھی، ابراہیم کو آگ میں ڈالتے وقت نمرود بھی اسی کا شکار ہوا تھا، فرعون بھی اسی وادی کا ایک رہ نورد تھا، عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کرنے کے لیے جانا، یہ بھی اسی غلط فہمی کا ایک نتیجہ تھا جس میں یہودی مبتلا تھے، اور کفار مکہ بھی اسی کوتاہ فہمی کے مرتکب ہوئے جب وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ کرنے کے لیئے بدر کے میدان میں خیمہ زن ہوئے۔

یہ واقعات، جن کی طرف ہم نے اوپر اشارہ کیا ہے، ایسے نہیں جن سے ارباب دجل و شیطنت ناواقف ہوں، اس کرۂ ارضی کے تمام ذرّات، دریاؤں اور سمندروں کی مچھلیاں، اور آسمان کے چمکتے ہوئے نجوم و کواکب ان باتوں کو جانتے ہیں، ہر قوم و ملت کے پاس ان حوادث کی پوری تفصیل موجود ہے، اور ان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ جب کبھی دنیا کی جابرانہ طاقتوں نے روحانی قوتوں کا مقابلہ کیا ہے تو سچائی نے باطل کو ہمیشہ شکست دی ہے اور دائمی طور پر حق ہی کو غلبہ حاصل ہوا ہے:

انّ الّذین کفروا ینفقون اموالھم لیصدّوا عن سبیل اللّٰہ فسینفقونھا

اس میں شک نہیں کہ یہ کافر اپنے مال اس لیے خرچ کرتے ہیں تاکہ لوگوں کو راہ خدا سے روکیں، سو یہ لوگ تو مال کو اسی طرح پر

ثم تکون علیھم حسرۃ ثم یغلبون ۵ والذین کفروا الی جھنم یحشرون (۸ : ۳۶)

خرچ کرتے ہی رہیں گے، مگر پھر آخر کار وہی مال اُن کے حق میں موجب حسرت ہوگا، خرچ بھی کریں اور پھر مغلوب بھی ہوں، اور قیامت کے دن کافر سب جہنم کی طرف ہانکے جائیں گے۔

جس آیت سے ہم نے اس عنوان کے لیے استدلال کیا تھا، اس پر دوبارہ نظر ڈالیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ فرعون کیا کر رہا ہے:۔

(الف) جو لوگ ملک اور قوم کی خدمت کرتے تھے، وہ اُن کو غلط کار، فریبی، مکّار، اور جھوٹا قرار دیتا ہے۔

(ب) ان لوگوں کی خدمات کی اُس کے دل میں کوئی عزت و توقیر نہیں۔

(ج) فرعون غرور و تکبر کا پتلا تھا، اور اس کا تمام تر اعتماد اپنی مادی قوتوں پر تھا۔

(د) اُسے خیال تھا کہ اُس کے جابرانہ طرز عمل اور ظالمانہ طریق کار سے حق و حریت کی تحریک رُک جائیگی، جس کی وجہ سے ملک میں شورش پیدا ہو رہی ہے، اور اس کی سلطنت نقصان سے محفوظ رہے گی۔

الزام فساد

فرعون نے دیکھا کہ باوجود ان تمام باتوں کے بنی اسرائیل حریت و آزادی کی تحریک میں برابر حصہ لیتے ہیں، اور موسیٰ کی جماعت میں بھی روز بروز اضافہ ہوتا جاتا ہے، تو اس نے تنگ آ کر دوسری راہ اختیار کی، جن لوگوں کے دماغ نشہ حریت سے سرشار اور جذبات قومیت و وطنیت سے لبریز تھے، جو اپنی قوم کو غلامی اور محکومی سے نکال کر آزادی دلانے کے آرزومند تھے، انھیں پاگل اور مجنون کا خطاب دیا کہ اس طرح عوام الناس ان فداکاران ملت اور سرفروشان حریت کے پھندے میں مبتلا نہ ہوں گے، حضرت موسیٰ نے دربار میں آتے ہی سب سے پہلے یہی مطالبہ کیا تھا کہ:

ارسل معنا بنی اسرائیل (۲۶ : ۱۶)

تم بنی اسرائیل کو ہمارے ساتھ روانہ کردو۔

مگر اُس نے آزاد کرنے کے بجائے لوگوں کو مخاطب بنا کر کہا۔

إِنَّ رَسُولَكُمُ الَّذِي أُرْسِلَ إِلَيْكُمْ لَمَجْنُونٌ (۲۶:۲۷) وہ رسول جو تمہاری طرف بھیجا گیا ہی مجنون ہی۔

لوگوں کی یہ کیفیت ہی کہ پروانہ وار انھیں پاگلوں پر نثار ہوتے ہیں، اپنے اندر حریت و استقلال کی تشنگی محسوس کرتے ہیں، اور ظلم و سفاکی کے دُور کرنے کے لیے صدائے احتجاج بلند کرتے ہیں، دراصل دنیا کا ہمیشہ سے دستور رہا ہی کہ اس نے ارباب اصلاح و تجدید کو ابتدا میں پاگل کہا ہی، مجنون کا خطاب دیا ہی، جادوگر بتایا ہی اور مفسد کے نام سے یاد کیا ہی۔

ناصرہ کے اسرائیلی نوجوان کو جب حکومت کے سامنے پیش کیا گیا کہ وہ اس بزرگ و جلیل ہستی کو پھانسی دے تو اس پر جو الزامات لگائے گئے تھے اُن میں اولین الزام یہی فساد تھا، مدین کا پیغمبر جلیل لوگوں کو کم تولنے سے روکتا ہی مگر وہ اسی کو مفسد قرار دیتے ہیں، لوط صرف اسی لیے فسادی تھے کہ وہ اپنی بدبخت قوم کو ایک غیر فطری طریق عمل سے روکتے تھے، رؤساء قریش کی نظر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی جرم کے مرتکب تھے، مگر قدوس حق نواز کی کارفرمائی ملاحظہ ہو کہ تھوڑی سی مدت کے بعد تمام لوگ اسی مفسد کو اپنا امام اور پیشوا تسلیم کرتے ہیں، اور اس ملک کا ایک ایک گوشہ اور ایک ایک چپہ اس کی فضیلت اور برتری کے آگے جھک جاتا ہی۔

جب فرعون نے دیکھا کہ لوگ حکومت کی ان باتوں کی پروا نہیں کرتے بلکہ ان اعلانات کے ساتھ تمسخر و استہزا کرتے ہیں، اور برابر اس جدید تحریک میں حصہ لے رہے ہیں، تو اُس نے یہ مشہور کرنا شروع کر دیا کہ یہ لوگ جو تمہاری آزادی اور استقلال کے طالب ہیں، حقیقت میں نہیں تم سے کوئی ہمدردی نہیں، اور تمہاری خیر خواہی ان کے پیش نظر نہیں، بلکہ وہ فساد پھیلانے، بدامنی پیدا کرنے، نظام صالح کو درہم برہم کرنے، قانون کو توڑنے، اور اپنی حکومت قائم کرنے کی غرض سے ان حرکات کے مرتکب ہو رہے ہیں، ان کی نیتوں میں خلوص نہیں، دلوں میں جوش و ولولہ نہیں، اور ان کے دماغوں میں افساد فی الارض کے سوا اور کوئی خیال نہیں، اس لیے رعایا کے لیے مناسب یہی ہی کہ وہ ان لوگوں سے الگ رہے، اور ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہو،

فرعون کہتا ہے:-

اِنَّ ھٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ یُّرِیْدُ اَنْ یُّخْرِجَکُمْ مِّنْ اَرْضِکُمْ فَمَاذَا تَاْمُرُوْنَ (۷: ۱۰۶ و ۱۰۷)

یہ تو بڑا ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تم سب کو تمہارے ملک سے نکال باہر کرے تو اب تم لوگ کیا صلاح دیتے ہو۔

کبھی غصہ و جذبۂ انتقام کے خیال سے یوں خطاب کرتا ہے۔

ذَرُوْنِیْٓ اَقْتُلْ مُوْسٰی وَلْیَدْعُ رَبَّهٗ، اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّبَدِّلَ دِیْنَکُمْ اَوْ اَنْ یُّظْهِرَ فِی الْاَرْضِ الْفَسَادَ (۴۰: ۲۷)

مجھے موسیٰ کو قتل کرنے دو، اور وہ اپنے پروردگار کو اپنی مدد کے لئے بلائے، مجھے اندیشہ ہے کہ تمہارے دین کو الٹ پلٹ کر ڈالے یا ملک میں فساد نکال کھڑا کرے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بعثت کی غرض و غایت ہی یہی تھی کہ وہ امن کے پیغمبر ظلم و جور کو دنیا سے مٹانے والے اور بنی اسرائیل کو ایک ظالمانہ حکومت سے نجات دلانے والے ہیں، انہوں نے فرعون کے دربار میں آتے ہی اولین مطالبہ یہ کیا کہ ادوا الی عباد اللہ، چاہیئے تھا، کہ وہ حکومت جس نے تہذیب و شائستگی کے پھیلانے اور علم و فضل کی نشر و اشاعت کے نہایت بلند آہنگی سے اعلان کیے تھے جس کا دعویٰ تھا کہ وہ صرف اس قوم کی فلاح و بہبود، اور نفع و سود کی خاطر جہانبانی و فرماں روائی کر رہی ہے جس کا ادعایہ تھا کہ اس پژمردہ قوم کو پھر زندہ کرنا چاہتی ہے جس کی حکومت مدتوں رہی ہے اس کی دراز دستی ملاحظہ ہو کہ:-

(الف) جو لوگ قوم کی اصلاح کا بیڑا اٹھاتے ہیں ان پر فساد کا الزام لگایا جاتا ہے اور ان کو مذہب کا بگاڑنے والا اور رسم و رواج قومی کا تبدیل کرنے والا کہا جاتا ہے۔

(ب) چونکہ حکومت کی بنیاد تمام تر ظلم و جور پر ہے اس لیئے اس کو اپنی تباہی و بربادی کا ہر وقت خوف دامن گیر رہتا ہے، مصلحین کی ہر کوشش کو اپنی تخریب کا باعث خیال کرتی ہے، شب و روز اسی فکر میں غلطاں و پیچاں رہتی ہے اپنے خیالات و افکار سے خطرات و مہالک بن کر نظر آتے ہیں، جب کبھی ارباب صلاح کی طرف سے کوئی صدائے حق بلند ہوتی ہے تو اسے یقین ہو جاتا ہے کہ اب میری بربادی کا وقت

آگیا، اور یہ اعلان حریت مجھے فنا کرنے کے لیے کیا گیا ہے اس لیئے وہ سختی کی راہ اختیار کرتی ہے، اور سرفروشان ملت کو قید و بند کی تکلیفیں پہنچاتی ہے حالانکہ اگر وہ ذرا غور و فکر سے کام لیتی تو اسے معلوم ہو جاتا کہ یہ لوگ فساد پھیلانے کے لیئے نہیں بلکہ امن عامہ کی خاطر اپنی ہر چیز قربان کر رہے ہیں۔

رفقاے کار کی تعذیب

اگر بعض اسباب و مصالح خفیہ کی بنا پر حکومت ان رہبران ملت و مصلحین قوم پر ہاتھ نہیں ڈالتی تو اس کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کو بے دست و پا بنا دیا جائے، جو لوگ ان کے اعوان و انصار ہیں، ان کو کسی طرح سے الگ کر دیا جائے، ان میں باہمی کوئی تعلق قائم نہ رہے، اور اس طرح ان فداکاران حریت کی تمام کوششیں اکارت جائیں، اس لیے ان کو طرح طرح کی تکالیف دی جاتی ہیں، ان کو گھر سے بے گھر کیا جاتا ہے، ان کی جائدادیں ضبط کی جاتی ہیں، حبس و زندان کی تاریک کوٹھریوں میں بند کیا جاتا ہے، گلے میں آہنی طوق ہیں، اور پاؤں میں لوہے کی بوجھل بیڑیاں، اور اگر اس پر بھی یہ لوگ راہ حق سے منحرف نہ ہوں تو قانون کی سخت گیریاں ہیں، اور پھانسی کے تختے۔

جب فرعون پر یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ موسیٰ و ہارون کو گرفتار کرنے سے ملک میں عام فتنہ و فساد کا اندیشہ ہے تو اس کو ارکان سلطنت نے حسب ذیل مشورہ دیا۔

ارجہ واخاہ وارسل فی المدائن حشرین (۷: ۱۰۸)

موسیٰ اور اس کے بھائی ہارون کے معاملہ کو اس وقت ملتوی رکھیئے، اور اطراف و جوانب کے قصبات میں کچھ ہرکارے روانہ کیجیئے۔

اگرچہ موسیٰ و ہارون کے آزاد رہنے کا ارکان سلطنت نے مشورہ دیا، مگر وہ اس لیئے نہ تھا کہ ان کی خیر خواہی مطلوب تھی، نہ اس لیے کہ وہ ان کو تکلیف و مصیبت سے بچانا چاہتے تھے، بلکہ اس کا مقصد یہ تھا کہ اس کے ملک میں فساد نہ ہونے پائے، مگر اسی کے ساتھ ان لوگوں کا دوسرا حکم ان الفاظ میں نافذ ہوا:-

اقتلوا ابناء الذین امنوا معہ

ان لوگوں نے اپنے ماتحتوں کو حکم دیا کہ جو لوگ موسیٰ کے ساتھ

وَاستحیوا ابناءَ ھُمْ ط (۴۰ : ۲۶) خدا پر ایمان لے آئے اُن کے بیٹوں کو قتل کرڈالو اور عورتوں کو زندہ رہنے دو۔

اس حکم سے فرعون اور اس کے ارباب مشورت کا یہی مقصد تھا کہ جب یہ لوگ ہمارے اعلانات کی جانب سے آنکھیں بند کیے ہوئے ہیں اور ان کی طرف توجہ نہیں کرتے تو بہتر یہی انہیں قتل کی دھمکی دی جائے شاید یہ اشد شدید عذاب ان کی ہمتوں کو پست ان کے ارادوں کو کمزور اور اُن کے جوش و ولولہ کو سرد کردے مگر جب یہ حکم بھی بے کار ثابت ہوا تو اُس نے نہایت ہی غصہ میں کہا۔

فلاقطعن ایدیکم وارجلکم من خلاف ولاصلبنکم فی جذوع النخل ولتعلمن اینا اشد عذابا وابقیٰ، (۲۰ : ۷۴) تو تمہارے ہاتھ اور تمہارے پیر الٹے سیدھے کاٹ ڈالوں اور تم کو کھجور کے تنوں پر سولی چڑھادوں تو سہی، اور اب تم کو اچھی طرح معلوم ہوجائے گا کہ ہم دو فریقوں میں کس کی مار زیادہ سخت اور دیرپا ہے

مگر ان خوفناک اور وہشت انگیز احکام نے ان کے ثبات قدم میں تزلزل پیدا نہیں کیا وہ اپنے ارادوں پر قائم رہے وہ نہایت ہی جوش و ولولہ اور عشق و محبت کے ساتھ آگے بڑھے اور بے خودانہ و مجنونانہ لہجہ میں فرعون کو عین دربار میں للکار کر کہا:۔

قالوا لن نؤثرک علی ماجاءنا من البینٰت والذی فطرنا فاقض مآانت قاض ط انما تقضی ھذہ الحیوۃ الدنیا، (۲۰ : ۷۵) بولے کہ کھلے کھلے معجزے جو ہمارے سامنے آئے ان پر اور جس خدا نے ہم کو پیدا کیا ہے اس پر تو ہم تجھ کو کسی طرح ترجیح دینے والے ہیں نہیں، تو جو کرنے والا ہے کر گزر، تو دنیا کی اسی زندگی پر حکم چلا سکتا ہے کہ ہم کو عذاب دے یا بہت کرے تو جان سے مروا دے۔

سچائی کی پرستش، اور حق کی حمایت نے کمزور و ناتوان لوگوں کو ہمیشہ قوی و طاقتور بنا دیا ہے پھر وہ حق کی حفظ و صیانت کے لیے باطل کا مقابلہ کرنے کو کھڑے ہو جاتے ہیں، باطل کی طاقت خواہ کیسی ہی زبردست ہو مگر وہ ان میں ضعف و اضمحلال نہیں پیدا کر سکتی، فما وھنوا لما اصابھم فی سبیل اللہ وما ضعفوا وما استکانوا (۳ : ۱۴۶) پھر وہ لوگ خدا کی راہ میں تکلیف پہنچنے سے ہارے نہیں وہ نہ سست ہی ہوئے اور نہ دب گئے،

لاتحزن ان اللہ معنا، (۹ : ۴۰) غم نہ کرو، بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے، میں یہی حقیقت مضمر تھی۔ الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا، (۴۱ : ۳۰) پر صرف اس لیے اللہ کی رحمتیں نازل ہوتی ہیں کہ وہ باطل پرستانہ قوتوں اور فراعنہ و دجاجلہ وقت سے خوف زدہ نہیں ہوتے، ان کو نہ تو اپنی جان عزیز ہوتی ہے، اور نہ مال، پھر نصرت الٰہی بھی ان کا ساتھ دیتی ہے، اور کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ کی حقیقت خفیہ مستبدانہ حکومتوں کے سامنے آشکارا ہو جاتی ہے، اس وقت وہ حق کی قوتوں کے آگے اپنی گردنیں خم کر دیتی ہیں، مگر درصل ان کی تباہی کا وقت آگیا ہوتا ہے، اس لیے ان سے کہا جاتا ہے کہ :-

الئٰن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین، (۱۰ : ۹۱) کیا اب ایسے وقت میں ایمان، اور تیرا حال تو یہ تھا کہ اس سے پہلے برابر نافرمانی کرتا رہا، اور تو مفسدوں میں کا ایک ہی تھا۔

سنت اللہ

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کے دربار میں آتے ہیں، اور اس سے اپنی قوم کی نجات کا مطالبہ کرتے ہیں، تو دیکھو وہ اکیلے ہوتے ہیں، کوئی اُن کا یار و مددگار نہیں، فرعون کی حکومت ہے جس کے قہر و استبداد اور ظلم و جور نے عرش الٰہی تک کو ہلا دیا ہے، وہ اپنے آپ کو خدا کہتا ہے، اور جو اس کو نہ مانے، اُسے موت کے گھاٹ اُتار رہا ہے، وہ موسیٰ کے مطالبہ پر استہزاء و تمسخر کرتا ہے، ان کو ذلیل اور اپنے آپ کو عزیز و محترم خیال کرتا ہے۔ ام انا خیر من ھٰذا الذی ھو مھین ولا یکاد یبین (۴۳ : ۵۲) بے شک میں اس شخص سے جو کچھ عزت نہیں رکھتا، اور صاف گفتگو بھی نہیں کر سکتا، کہیں بہتر ہوں، ان کو جادوگر اور پاگل کہتا ہے، تمام درباری اس پر ہنستے ہیں۔

اس غربت اولیٰ کا منظر تمہارے سامنے ہے، تمام ملک کو ان کی مخالفت میں ابھارا جاتا ہے، عوام الناس میں اس کے خلاف جوش پھیلایا جاتا ہے، آہ! تم نہیں دیکھتے کہ فرعون کی تمام باطل پرستانہ سعی و کوشش کا کیا نتیجہ نکلتا ہے، ملک کس کا ساتھ دیتا ہے، اور روز بروز کس کے اعوان و انصار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، فرعون

ابتدا میں نرمی سے کام لیتا ہی، جب یہ طریق عمل کامیاب ثابت نہیں ہوتا تو سختی کرتا ہی کہ شاید لوگ ڈر کر موسیٰ کا ساتھ چھوڑ دیں، وہ جادوگروں کو دعوت دیتا ہی کہ جلسہ عام میں اس کو ذلیل کریں، مگر وہ، جو بیکسوں کا چارہ ساز، اور آہ نیم شبی کا سننے والا ہی، اس کی کارفرمائی ملاحظہ ہو کہ جو لوگ حق کی مخالفت پر کمر باندھ کر آئے تھے، وہی موسیٰ کے دست و بازو بن جاتے ہیں، اور لاکھوں انسانوں کے سامنے اس ظالم و جابر بادشاہ کو ذلیل و رسوا کرتے ہیں۔

یہ سنت اللہ ہی کہ حق کی حمایت کرنے والے ابتدا میں ہمیشہ کم ہوا کرتے ہیں، ان کا ارتقا تدریجی ہوا کرتا ہی، ارباب دولت و ثروت ان کو ذلیل خیال کرتے ہیں، مگر انجام کار وہی کامیاب و بامراد ہوتے ہیں، بدء الاسلام غریبا و سیعود غریبا فطوبی للغرباء، اس حق پرست جماعت کی سچائی اور صداقت کی سب سے بڑی نشانی یہ ہوتی ہی کہ ابتدا میں ضعیف و کمزور لوگ اس کے ساتھ ہوتے ہیں، اور جو اس حزب اللہ میں داخل ہوتے ہیں، وہ پھر پیچھے ہٹنے کا نام نہیں لیتے، یہی وہ حقیقت تھی جس کا ہرقل نے ابوسفیان سے گفتگو کرتے وقت اظہار کیا۔

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ جن لوگوں نے رسول عربی کی سب سے زیادہ مخالفت کی، انجام کار وہی سب سے زیادہ فداکار اسلام ثابت ہوئے، عمرو بن عاص، نجاشی والی حبش کے پاس قریش کا سفیر بن کر جاتا ہے کہ ان مسلمانوں کو حاصل کرلے جو کفار مکہ کی تکالیف و شدائد سے تنگ آکر حبش کی جانب ہجرت کر گئے تھے، چند سال کے بعد ان کی یہ حالت ہوتی ہی کہ والی عمان کے پاس سفیر اسلام بن کر جاتے ہیں، اور ہزاروں اشخاص کے مسلمان ہو جانے کی خوشخبری دربار رسالت میں لاتے ہیں،

خالد بن ولید جنگ احد میں کفار کے کمان دار ہیں، اور مسلمانوں کو فنا کرنے کی فکر میں ہیں، ان کو دیکھیے تو لات و عزیٰ کے مندروں کو اپنے ہاتھ سے گراتے ہیں، اور کثرت فتوحات کی بدولت ان کو دربار رسالت سے سیف من سیوف اللہ کا معزز و محترم خطاب نوازش کیا جاتا ہی۔ جس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ

جانے کا قصد کرتے ہیں تو حدیبیہ کے میدان میں عروہ بن مسعود، قریش کے سفیر بن کر آتے ہیں کہ آپ کو اس ارادہ سے باز رکھیں، وہ خود بخود مدینہ میں آتا ہے اور اسلام قبول کر کے اپنی قوم میں اسی کی تبلیغ و اشاعت کرتا ہے عمر بن الخطاب گھر سے تلوار لے کر نکلتے ہیں کہ آں حضرت کا سر قلم کریں، مگر جاتے ہی حلقہ بگوش اسلام بن جاتے ہیں، طفیل دوسی جب مکہ میں آتے ہیں تو اپنے کانوں میں روئی کی ڈاٹ رکھ لیتے ہیں کہ محمد کی آواز کان میں نہ پہنچے، بالآخر اپنے وطن میں گھر گھر پھرتے اور محمد کی آواز کو پہنچاتے ہیں۔ وہی عبد یالیل ثقفی جس نے طائف میں غلاموں اور بچوں کو پتھر پھینکنے کے لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے لگا دیا تھا، انجام کار مدینہ میں حاضر ہوتا ہے اور وہاں سے اپنی قوم کے لئے ایمان و ایقان لے کر جاتا ہے، تم جانتے ہو کہ جنگ حنین میں، جب کہ سب لوگ بھاگ کھڑے ہوئے تھے کون تھا جو رکاب نبوی کو تھامے ہوئے تھا، یہ وہی ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب تھا جو اگرچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حقیقی چچا کا بیٹا تھا مگر آپ کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا۔

یہی سنت اللہ ہے کہ انجام کار اپنے اور بیگانے سب تسلیم کر لیتے ہیں، سب کی گردنیں جھک جاتی ہیں، اور سب مان جاتے ہیں کہ جس راہ پر ہم کو یہ مصلح اعظم لے جانا چاہتا ہے وہ یقیناً نجات کی راہ ہے اور اس پر چل کر ضرور کامیاب ہوں گے، ہماری تمام دقتیں اور تکلیفیں دور ہو جائیں گی، وہ ہمیں حکومت و آزادی دلوانے کا وعدہ کرتا ہے اور ضرور ہے کہ یہ پورا ہو کر رہے، یہی وجہ ہے کہ ملک اس کے ساتھ ہو جاتا ہے اور ظالمانہ حکومت کے اعوان و انصار میں روز بروز کمی ہوتی جاتی ہے۔

طاقت کی نمائش

قوم میں زندگی کے آثار نمودار ہو گئے ہیں، اسے اپنی غلامانہ ذلت اور محکومانہ رسوائی کا احساس ہو رہا ہے، وہ اپنے دل میں تڑپ پاتی ہے، اس کا جی چاہتا ہے کہ آزاد سرزمین ہو، کوئی غیر حاکم نہ ہو، اور نہ کسی کے ماتحت زندگی بسر کرنی پڑے، اس لئے سعی و کوشش ہوتی ہے، عام لوگوں میں جوش و ہیجان پیدا ہوتا ہے، شوق و ولولہ طلب سے ہر ایک سرفروشانہ اقدام کرنا چاہتا ہے، مگر حکومت سد راہ بن جاتی ہے، اس حیات قومی اور سرگرمی عمل کو

دبانے کے لیے طرح طرح کے حیلے تراشتی ہے، ہر قسم کے ظالمانہ قوانین کی تدوین و ترتیب ہوتی ہے، اور اگر شوریدہ سر لوگ ان مجنونانہ اجتماعات کو قائم کریں تو ان کو ڈرانے اور دھمکانے کے لیے فوجی طاقت کی نمائش ہوتی ہے!

جب فرعون نے دیکھا کہ موسیٰ و ہارون کا اثر برابر بڑھتا جاتا ہے تو اسے یہ خوف دامن گیر ہوا کہ اگر اس وقت ان کی راہ میں زبردست رکاوٹ نہ پیدا کی گئی تو آگے چل کر یہ دونوں میری حکومت کو برباد کر دیں گے، اس لیے اپنا رعب و اقتدار قائم رکھنے اور ان کو ہیبت زدہ کرنے کے خیال سے اس نے اپنی تمام تر فوجی طاقت کا مظاہرہ کیا کہ رعایا کے لوگ اس شاہانہ شان و شوکت، فراوانی مال و دولت، کثرت اعداد و شمار، سامان حرب کی نمائش، اور تلواروں کی چمک سے خوف زدہ ہو جائیں، اور حریت و استقلال قومی کے خیالات و افکار کو دلوں سے نکال دیں۔

فجمع السحرة لميقات يوم معلوم ٥ وقيل للناس هل انتم مجتمعون، (۲۶: ۳۷ و ۳۸)۔

اس روز مقرر کے وعدے پر جادوگر جمع کیے گئے، اور لوگوں میں منادی کرا دی کہ اب تک تو خیر تم لوگ الگ تھلگ رہے، اب ایسی موقع پر بھی تم لوگ جمع ہو گے یا نہیں۔

اس نمائش سے فرعون کا مقصد یہ تھا کہ:۔

(الف) جو لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے ہیں وہ اپنے انجام اور عاقبت کار سے خوف زدہ ہو کر آزادی کے جنون کو سر سے نکال دیں۔

(ب) عام لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس حکومت کے قبضہ و اقتدار میں کس قدر قوت و طاقت ہے، اور جب چاہے کتنی فوج فراہم کر سکتی ہے، پھر جب سلطنت کے ذرائع و وسائل اس کثرۃ کے ساتھ ہوں تو وہ ایک بے سر و سامان موسیٰ سے کیا خوف زدہ ہو گی۔

(ج) چونکہ موسیٰ کے بار بار مطالبہ آزادی و حریت نے عوام الناس پر اپنا اثر ڈال لیا ہے، اور لوگوں کے دلوں سے حکومت کا رعب اٹھ گیا ہے، یہ نمائش کی گئی کہ اس کا رعب قائم ہو جائے، اور اس کی ہیبت میں کسی قسم کا فرق

نہ آنے پائے۔

کلمۂ حق کا خوف

بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قوت و طاقت فرعون کے ساتھ ہی، سلطنت کے خزانے اس کے قبضہ و اقتدار میں ہیں، اور فوج اس کے ہاتھ میں ہے، لیکن کلمۂ حق اور فداکاران حریت کی بادشاہت اور خسروی ملاحظہ ہو کہ ان کی تعداد قلیل ہے، ان کے پاس ذرائع و وسائل عیش و کامرانی نہیں، وہ لوگوں کو پھولوں کی سیج پر لیٹنے کی دعوت نہیں دیتے، بلکہ کانٹوں کے بستر ہیں جن کی طرف ان کو بلاتے ہیں، مگر یہی چھوٹی سی جماعت ہی جو باوجود قلت تعداد، فقدان اسباب، اور ضعف ظاہری کے، جنود کفر و ضلالت میں ہیبت پیدا کر رہی ہے، ایوان حکومت میں زلزلہ آ رہا ہے، اور اعضا و ارکان حکومت اپنے آپ کو خطرات و مہالک میں گھرا ہوا پاتے ہیں۔

انّ ھٰؤلاء لشرذمة قلیلون ۝	بنی اسرائیل تھوڑی سی جماعت ہیں، اور انھوں نے ہمیں
وانھم لنا لغائظون ۝ وانا لجمیع	سخت ناراض کیا ہے، اور اگرچہ ہماری جماعت کثیر ہے، مگر ہمارا شیوہ
حٰذرون ۝ (۲۶: ۵۵ تا ۵۷)	احتیاط ہے، اس لیے تم کو مدد کے لیئے بلاتے ہیں۔

فرعون کا دل اس جماعت کی روز افزوں ترقی اور کامیابی کو دیکھ کر کانپ رہا ہی، اسے اپنی کمزوری و ناتوانی کا احساس ہو رہا ہی، وہ یہ بھی دیکھ رہا ہی کہ کل جن لوگوں کی امداد و اعانت پر مجھے پورا اعتماد اور بھروسہ تھا، آج وہ میری جماعت سے کٹ کر موسی سے مل گئے ہیں، اس لیئے دور اندیشی کے خیال سے وہ اپنے باقی ماندہ اعوان و انصار کو مدد کے لیئے بلاتا ہی، مگر اس مدد کے طلب کرنے میں بھی وہ دجل و فریب، اور وسائس سیاست سے کام لیتا ہی، وہ اپنی بے بسی اور بے کسی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتا ہے، اور ظاہر بین نظروں کو ایسا معلوم ہوتا ہی کہ شاہانہ رعب و داب، قوت و طاقت اور تائید الٰہی اسی کے ساتھ ہے، مگر اہلِ نظر اور ارباب بصیرت خوب جانتے ہیں کہ اس قسم کے اعلانوں کی تہ میں کونسی چیز کام کر رہی ہے، اور حقیقت اصلیہ کیا ہی۔

باب ۳

انجام

جھوٹے وعدے

ظالم حکومتوں کی ایک عادت یہ بھی ہی کہ جب وہ دیکھتی ہیں کہ اب رعایا میں اپنی آزادی کا قومی احساس پیدا ہوگیا ہی، قوت و طاقت اور فوجی نمائش نے کوئی کام نہیں دیا، بلکہ اس کا جوش و عشق حریت و استقلال اور ترقی کرتا جاتا ہی، اب اگر سختی سے کام لیا تو بنا بنایا کھیل بگڑ جائے گا تو پھر وہ جھوٹے وعدوں پر اُتر آتی ہیں، رعایا کو غلط امیدیں دلاتی ہیں، اور دور از کار توقعات سے ان کا دل بہلاتی ہیں، اور مقصد یہ ہوتا ہی کہ ان کی حرارت قومی سرد پڑجائے، اور جوش میں کمی پیدا ہو۔

فرعون پر جب کبھی مصیبتیں نازل ہوئیں، اور تکالیف نے اس کو چاروں طرف سے گھیر لیا، تو وہ ہمیشہ موسیٰ سے طالب اعانت ہوا، اور وعدہ کیا کہ اگر ان مصیبتوں اور تکلیفوں کے بادل چھٹ گئے تو میں اُسی وقت بنی اسرائیل کو آزاد کردوں گا، مگر ایسا بارہا ہوا کہ موسیٰ کی دعاؤں نے فرعون کی عین وقت پر یاوری کی اور اُس کو ہر تکلیف و مصیبت سے نجات مل گئی، لیکن وہ ہمیشہ بدعہد ثابت ہوا، اور کبھی اپنی بات پورا کرنے کی تکلیف گوارا نہ کی کہ فراعنہ و دجاجلہ کی یہی سنت ہی، قرآن نے اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کیا ہی:-

ولما وقع علیھم الرجز قالوا یٰموسیٰ ادع لنا ربک بما عھد عندک لئن کشفت عنا الرجز

جب ان پر عذاب نازل ہوتا تو کہتے، اے موسیٰ! تم سے جو خدا نے قبول دعا کا وعدہ کر رکھا ہی، اس کے آسرے پر اپنے پروردگار سے ہمارے حق میں دعا کرو، اور اگر تم نے ہم پر سے اس عذاب کو ٹال دیا

لنؤمنن لك ولنرسلن معك بنی اسرائیل ۔ فلما کشفنا عنہم الرجز الی اجل ھم بالغوہ اذا ھم ینکثون ۔ (۷: ۱۳۱)

تو ہم ضرور تم پر ایمان لے آئیں گے، اور بنی اسرائیل کو بھی ضرور تمہارے ساتھ بھیج دیں گے پھر جب ہم ایک وقت خاص کے لیے جس تک اُن کو پہنچنا تھا عذاب کو اُن سے ٹال دیتے تو وہ فوراً ہی بدعہدی کرنے لگتے۔

اس آیت میں حسب ذیل امور پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

(الف) جب حکومت پر کوئی مصیبت آتی تو اسی ذلیل و کمزور رعایا کی طرف توجہ ہوتی، اس کی مدح و ستائش کے راگ گائے جاتے، اُس کے سپاہیانہ جذبات، مالی فداکاری، اور جوش مذہبی سے اپیل کیا جاتا،

(ب) اپنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو دور کرنے کے لیئے ان لوگوں سے صلح و آشتی کی جاتی اور ان سے درخواست کی جاتی کہ عارضی طور پر وہ اپنی مخالفانہ کوششوں کو ترک کر دیں۔

(ج) ان سے وعدے کیئے جاتے کہ اس مصیبت عظمیٰ اور داہیۂ کبریٰ سے نجات حاصل کرتے ہی تمام مطالبات قومی پورے کر دیئے جائیں گے تمہاری ہر تکلیف و مصیبت کا علاج ہو جائے گا اور کوئی رکاوٹ باقی نہ رہیگی۔

(د) لیکن جب تکلیفوں سے نجات ملتی، اور رنج و غم کے بادل چھٹ جاتے تو ان تمام وعدوں پر پانی پھر جاتا، کاغذ کے ایک پرزے سے زیادہ اُن کی حقیقت نہ ہوتی، بلکہ جس قوم نے دھوکے میں آکر اس قدر جوش فداکاری و سرفروشی کا اظہار کیا تھا، اُس کی عملی قوتوں کو معطل و بے کار کرنے کے لیئے اور زیادہ سخت قوانین کی تدوین و ترتیب عمل میں آتی۔

چاہیئے یہ تھا کہ جس بدبخت قوم نے اپنی زندگی اور موت، حکومت کے حوالہ کر دی ہو جس نے اپنی دولت و ثروت اُس پر قربان کر دی ہو اور جس نے ہر ممکن طریقہ سے اُس کی امداد و اعانت کی ہو اُس کی ہر طرح دلجوئی کی جاتی اُس کی ترقی کے لیے مختلف تدابیر سوچی جاتیں، اور اس کو موقع دیا جاتا کہ وہ آزاد ہو کر اپنے اوپر خود حکومت کر سکے، مگر فرعون کی شوریدہ سری ملاحظہ ہو کہ وہ صرف بدعہدی ہی پر قناعت نہیں کرتا، اور اپنی بیہودہ حرکت پر نادم نہیں ہوتا بلکہ بنی اسرائیل کو تکلیف و مصیبت میں ڈالنے اور اُن کا دل دکھانے کا پورا سامان کرتا ہے،

اُن کی تضحیک و تحمیق، اور ان کی سادہ لوحی پر تمسخر و استہزا کرتا ہے، وہ لوگ تو اپنی قومی آزادی کے لیے کوشش کرتے ہیں، مگر یہ اُن کی ہر سعی کو ہنسی میں اُڑا دیتا ہے۔

فلما جاءھم بآیتنا اذا ھم منھا یضحکون ۝ (۴۳ : ۴۶)

توجب موسیٰ ہمارے معجزے لے کر اُن کے پاس آئے تو وہ لگے اُن کی ہنسی اُڑانے۔

مگر انجام کار اُس کو معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ تمسخر و استہزا در اصل خود اپنے ساتھ کر رہا تھا۔

احسانات کی یاد

حکومت کرنے کے دو طریقے ہیں:۔

(الف) اگر حاکم جماعت کو رعایا کے ساتھ الفت و ہمدردی ہے تو اُس کی سب سے پہلی کوشش یہ ہوگی کہ وہ اُن میں اخلاق صالحہ اور صحیح کیرکٹر پیدا کر دے، اور اُن کی ایسی تربیت کرے کہ خود اُن میں حکومت و جہانبانی کی قابلیت پیدا ہو جائے

(ب) لیکن اگر تلوار کے زور سے اور طاقت کے بل پر لوگوں کو اپنا غلام و محکوم بنا لیا ہے، اُس کے تعلقات و روابط اپنی ماتحت قوموں کے ساتھ محض تاجرانہ اُصول پر مبنی ہیں، اور اس کو رعایا کے سود و زیاں سے کوئی سروکار نہیں، تو اس کی یہ کوشش ہوگی کہ ان لوگوں میں سیرت نہ پیدا ہو، روز بروز یہ بداخلاقی کے گڑھے میں گرتے جائیں، ان کو اپنی گزشتہ شاندار تاریخ سے واقفیت نہ ہو، اور ہمیشہ میرے ہی غلام رہیں۔

تورات ہمیں بتاتی ہے کہ فرعون کا طرز حکومت دوسری قسم کا تھا، یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنی حکومت کے ثبات و قیام کے لیے مسئلہ توازن پر عمل کرتے ہوئے بنی اسرائیل کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیا تھا، اور ان کو ہمیشہ ذلیل سے ذلیل خدمتوں کے لیے مجبور کرتا تھا کہ اُبھرنے نہ پائیں، ملک میں جس قدر اصلاحات نافذ ہوتی تھیں اُن کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ حکام کی مختصر جماعت کو فائدہ پہنچے اُس کی جیبیں سونے اور چاندی

کے سکوں سے بھرپور رہوں، اگرچہ ایسا کرنے سے بنی اسرائیل کے لاکھوں افراد بھوک اور فاقہ کشی کی وجہ سے مرجائیں اور ہزاروں فرزندان آدم مختلف امراض اور بیماریوں کا شکار رہوں۔

جس حکومت کا یہ طرز عمل ہو جو اصلاح کے پردے میں انسانوں کو ذبح کرتی ہو جو انسانی ہمدردی کا نقاب پہن کر لوگوں کے سامنے آئے اور اپنے عشوہ و ناز سے عوام الناس کو اپنا فریفتہ کرلے، مگر جب نقاب کو اُلٹے تو بھیڑیوں اور درندوں کی طرح اپنے گرد و پیش کے تمام انسانوں کو چیرے اور پھاڑے، ظاہر ہے کہ کسی شریف انسان کو ایک لمحہ کے لیے بھی ایسی حکومت کے ساتھ ہمدردی نہیں ہوسکتی، اور اگر افراد رعایا اس کی سحر طرازیوں سے مسحور ہو گئے تھے تو جس وقت ان میں حس و بیداری پیدا ہوگی، اُس کے اشد شدید دشمن بن جائیں گے اور ایسی ظالمانہ حکومت کے تباہ و برباد کرنے کے لیے اپنی تمام کوششیں وقف کردیں گے۔

پانی سر سے گزرنے کے بعد حکومت کی آنکھیں کھلتی ہیں، دیکھتی ہے کہ بنی اسرائیل کے لیے تنبہ و اعتبار کی راہیں کھل گئی ہیں، موسیٰ علیہ السّلام کی تعلیم و تربیت نے ان کو آزادی کے لیے تیار کردیا ہے، اب فرعون اپنی حکومت کے بقاء و استحکام کی خاطر اپنے گزشتہ احسانات یاد دلاتا ہے، اپنے سابقہ کارناموں کا تذکرہ کرتا ہے۔ اس نے جو جو اصلاحات نافذ کی ہیں، ان کی منظر عام پر جلوہ نمائی کی جاتی ہے، اور اس تمام تر خدع و فریب اور دجل و شیطنت کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ ان فریب کاریوں اور ملمع سازیوں میں پھنس کر رعایا کے عام لوگ اس حکومت کو اللہ کا احسان عظیم خیال کریں، بادشاہ وقت کو ظل اللہ اور اوتار سمجھیں، اور اس سے انحراف و بغاوت کو گناہِ عظیم تصوّر کریں۔

فرعون پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ بنی اسرائیل حریت و استقلال کے لیے تیار ہو چکے ہیں، موسیٰ نے آتے ہی دربار فرعونی میں اپنا مطالبہ پیش کردیا تھا کہ ارسل معنا بنی اسرائیل مگر اس صدائے حریت نے اس کے کانوں کو بہرا کردیا تھا، وہ تو ایک لمحہ کے لیے بھی نہ چاہتا تھا کہ اس قوم کو آزادی بخشے اس لیے اپنی حکومت و فرماں روائی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے وہ ان الفاظ میں موسیٰ کو مخاطب کرتا ہے:-

الم نربك فينا وليدا ولبثت — کیا ہم نے تجھ کو اپنے ہاں رکھ کر بچہ سا نہیں پالا؟ اور

فینا من عمرك سنين (۲۶ : ۱۷) — تیری اتنی عمر ہونے آئی تو اپنی اس عمر میں سے برسوں ہمارے ہاں رہا۔

تم تہذیب و شائستگی سے عاری، تمدن وحضارت سے بے بہرہ محاسن اخلاق و فضائل اعمال سے ناواقف، اور علوم و معارف سے محروم محض تھے، جنگلیوں کی سی زندگی بسر کرتے، حیوانوں کی طرح رہتے اور درندوں کی مانند ایک دوسرے کو چیرتے پھاڑتے تھے، کپڑا پہننے، کھانا کھانے، بات کرنے کی تمیز نہ تھی، تمہاری بے کسی اور بے بسی کی یہ حالت تھی کہ سمندر کی موجوں کے رحم پر چھوڑ دیے گئے تھے، تمہارا کوئی نگران کار و محافظ نہ تھا، ہم نے تمہاری نگہداشت اپنے ذمہ لی، تعلیم و تربیت کا انتظام کیا، تمہیں مہذب و شائستہ بنایا، رہنے کا ڈھنگ سکھایا، قصور و محلات شاہی میں رہ کر تم میں عقل و شعور، اور تمیز پیدا ہوئی، تمہارے آرام کی خاطر ہر قسم کی سہولتیں بہم پہنچادیں، کیا یہ قرین عقل و انصاف ہے کہ ایسی شفیق و مہربان حکومت سے انحراف و بغاوت کرو، اور اپنی قوم میں اس کی طرف سے نفرت و حقارت کے جذبات خبیثہ پیدا کرو۔

لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام اس حقیقت سے خوب آشنا تھے کہ ان احسانوں کا شکر گزار ہونا کسی طرح بھی جائز نہیں، فرعون کا یہ مقصد ہرگز نہ تھا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کو فائدہ پہنچے، اور اس کی تعلیم و تربیت سے وہ اپنی قوم میں زندگی پیدا کرنے کے قابل ہوں، بلکہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد پیش نظر تھے، اور اپنے ہی زاویۂ نگاہ سے ان امور کو انجام دیا تھا، اتفاق سے دوسرے لوگوں کو بھی فائدہ پہنچ گیا، اب ظاہر ہے کہ ان باتوں پر کون عقل مند شکر گزاری کا مطالبہ کرے گا، یہ تو ایسی ہی بات ہے کہ زید اپنے ایک دوست خالد سے ملنے کے لئے جاتا ہے، رستہ میں اس کو اتفاقاً ایک ہزار روپیہ کی تھیلی مل جاتی ہے، کیا خالد کو یہ حق حاصل ہے کہ زید کو اپنی شکر گزاری کے لیے مجبور کرے۔

موسیٰ علیہ السلام جانتے تھے کہ مجھے اس لئے نہیں پرورش کیا گیا کہ ان لوگوں کو میرے ساتھ کسی قسم کی ہمدردی تھی، بلکہ ان کی خود غرضی اور مطلب پرستی نے ان کو اس کے لئے مجبور کیا تھا، فرعون کی بیوی نے جب

موسیٰ کو اپنے خاوند کے پنجۂ ظلم سے بچانے کی کوشش کی تو یہ کہا:۔

قرت عین لی ولک ط لا — یہ میری اور تمہاری دونوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے،

تقتلوہ قلے عسیٰ ان ینفعنا — تو تم لوگ اس کو مارو نہیں، عجب نہیں کہ ہم کو فائدہ پہنچائے

او نتخذہ ولدا، (۲۸ : ۸)۔ — یا اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں۔

یہ تو فرعون کے گھر والوں کی غرض و غایت تھی، مگر اللہ تعالیٰ کا مقصد کچھ اور ہی تھا وہ چاہتا تھا کہ لیکون لھم عدوا وحزنا، ان کے دشمن اور ان کی پریشانی کا باعث ہوں۔

جس حکومت نے اس بچہ پر روپیہ صرف کیا ہو کہ اس کے عوض میں تمام قوم کو اپنا غلام بنائے

جس نے تہذیب و شائستگی اس لیے سکھائی ہو کہ غلامی میں اور زیادہ قوت و استحکام ہو۔

جس نے ہمدردی و مروت کا اظہار اس لیے کیا ہو کہ محکومیت کی بیڑیاں اور طوق مضبوط ہوں۔

جس نے ہر قسم کی سہولتیں اس لیے بہم پہنچائی ہوں کہ ان کو اپنی خود غرضیوں کا شکار کرے۔

جس نے سفر میں آسانیاں پیدا کردی ہوں کہ تمام قوم کی قوم آرام طلب بن جائے۔

جس نے علوم و فنون کی ترویج اس لیے کی ہو کہ ان کو اپنی گزشتہ تاریخ بالکل تاریک نظر آئے اپنے آبا و اجداد کو ہر قسم کی خوبی و نیکی سے خالی پائیں اور یہ لوگ سستے داموں غلامی کے لیے تیار رہوں۔

جس نے طہارت و پاکیزگی، عفت و پاک دامنی اور نیکی و فرشتگی سے متنفر کرنے کی پوری کوشش کی ہو

جس نے ہر بد خلاقی اور فسق و فجور کو اپنی سرپرستی میں لے لیا ہو اور ملک میں اس کی عام نشر و اشاعت کردی ہو۔

اور جس نے قوم کی قوم کو ادنیٰ ترین ضروریات زندگی کے لیے غیروں کا محتاج و دست نگر بنا دیا ہو۔

وہ حکومت ہرگز اس قابل نہیں کہ اس کا شکریہ ادا کیا جائے اور کبھی کوئی صاحب نظر و بصیرت اس فرعون کے آگے سر تسلیم خم نہ کرے گا، چنانچہ موسیٰ نے اس فرعونی مطالبہ کا جواب ان الفاظ میں دیا۔

وتلك نعمة تمنها علی ان عبدت بنی اسرائیل (۲۶ : ۲۱) — یہ احسان پرورش جو تم مجھ پر رکھتے ہو، گیا ہی کے بدلے تم نے بنی اسرائیل کو غلام بنا رکھا ہی۔

فرعون اپنے گزشتہ احسانوں کو یاد دلاتا ہی اس کا مقصد یہ ہی کہ ان کے شکریے میں وہ بنی اسرائیل کو ابھی اور ایک مدت تک اپنا غلام بنائے رکھے لیکن موسیٰ علیہ السلام اس کو صاف طور پر کہہ رہے ہیں کہ ان کا شکر ادا کرنا بالکل غلط ہی تمہیں ہرگز جائز نہیں کہ اس احسان پرورش کی خاطر تمام قوم کو برباد کرو۔

یہ فرعونی حکومتوں کا خاصہ ہی کہ جب تحریکات قومی کسی طرح نہیں دبتیں، رعایا میں آزادی کا جوش بڑھتا جاتا ہی، نہ تو تسخر و استہزا کام دیتا ہی اور نہ جابرانہ طریق حکومت کامیاب ثابت ہوتا ہی تو اپنی رعایا کے جذبۂ شکر گزاری کو تحریک دینے کے لیے اپنے احسان جتاتی ہیں اور اس طرح کوشش کرتی ہیں کہ عوام الناس اس دھوکے میں آکر ان کا ساتھ دیں، اور آزادی کی راہ حق ترک کر دیں، اگرچہ یہ حقیقت بالکل واضح ہوتی ہی کہ انھوں نے اپنی رعایا پر کوئی احسان نہیں کیا اور واقعات اس کی پوری شہادت دے سکتے ہیں، مگر پھر بھی احمق اور کوتاہ اندیش لوگ اپنی لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے اس چال بازی کو نہیں سمجھتے اور حکومت کا ساتھ دینے کو تیار ہو جاتے ہیں۔

فرعون کی ناقابلیت

اس بدبخت کا کبھی بھی یہ مقصد نہ ہوا کہ بنی اسرائیل آزاد ہوں، اس نے ان کی ترقی کی تمام راہیں بند کر دی تھیں، ذلیل ترین خدمتیں اُن کے سپرد کی جاتیں، اور کبھی اُن کو دولت مند ہونے کا موقع نہ دیا جاتا، یہ لوگ مصر میں قریباً چار سو سال تک غلامانہ زندگی بسر کرتے رہے اور کبھی اس قابل نہ ہو سکے کہ حکومت کر سکتے، اب اس سے زیادہ محکومانہ زندگی بسر کرنا کسی طرح بھی قرین عقل و انصاف نہ ہو سکتا تھا حضرت موسیٰ کی بعثت صرف اس لیئے ہوئی تھی کہ بنی اسرائیل آزاد ہوں، اور فرعون کے قہر و استبداد سے نجات حاصل کریں، ان کو ایسا قانون نوازش کیا گیا تھا جو ہدیٰ و نور تھا، جو حریت و استقلال کا ذمہ دار و کفیل تھا، موسیٰ ہر قسم کے

سامانِ وسائل اپنے ساتھ لے کر آئے تھے، وہ اپنی عاجز و درماندہ قوم کو غلامی و محکومی کی ذلّت و رسوائی سے نکال کر حکومت و خلافت تک لے جانے کے قابل تھے، اس لیئے انھوں نے جس وقت قومی آزادی کا مطالبہ کیا تو اس حقیقت کو بھی واضح کر دیا کہ میں اس قوم کو راہ ترقی دکھا سکتا ہوں، ملاحظہ ہو:-

فالقی عصاہ فاذاھی ثعبان مبین ٥ ونزع یدہ فاذاھی بیضاء للنظرین، (۲۶: ۳۱ و ۳۲)

اس پر موسیٰ نے اپنی لاٹھی ڈال دی تو کیا دیکھتے ہیں کہ وہ صریح اژدہا ہے، اور اپنا ہاتھ باہر نکالا تو وہ نکالنے کے ساتھ سب دیکھنے والوں کی نظر میں بڑا چمک رہا تھا۔

ان معجزات سے حضرت موسیٰ علیہ السّلام اپنے حریف فرعون اور اس کے ارکان سلطنت کو یہ بتانا چاہتے تھے کہ:-

(الف) یہ لاٹھی بالکل بے جان تھی، میرا ہاتھ لگتے ہی اس میں زندگی پیدا ہو گئی اور وہ حرکت کرنے لگی ایسے ہی بنی اسرائیل چار سو سال تک تمہارے غلام رہے، مگر تمہارا قانون زندگی بخش ثابت ہونے کے بجائے ان کی موت کا باعث بن گیا اور وہ حقیقت میں مر گئے، کیوں کہ محکومیت اور موت دو لفظ مترادف الفاظ ہیں، حقیقت ایک ہی ہے اگرچہ نام مختلف ہیں، زندگی صرف حکومت اور جہانبانی کو کہتے ہیں، جس وقت بنی اسرائیل تمہاری غلامی سے نجات حاصل کر کے میرے قانون پر عمل کرنا شروع کر دیں گے تو وہ فوراً زندہ ہو جائیں گے۔ اور ارض مقدس کی حکومت انھیں نوازش کی جائے گی۔

(ب) حرکت کرنے کے بعد لاٹھی نے اُن تمام سانپوں کو نگل لیا جو فنا سامانی کی خاطر جادو کے زور سے بنائے گئے تھے، بنی اسرائیل میرے قانون کا اتباع کر کے زندہ ہو جائیں گے اور ان تمام دشمنوں کو تباہ و برباد کر دیں گے جنھوں نے اب تک ان غلاموں اور بیکسوں کو سانپ کی طرح کاٹ کھایا ہے، جن کی تہذیب و شائستگی، تعلیم و تربیت اور اصناف علوم و فنون کی نمائش بظاہر نہایت ہی دل فریب اور دل خوش کن تھی، لیکن حقیقت میں اس کا زہر نہ صرف جسم کو ہلاک کر دیتا تھا بلکہ روح پر بھی عالم ممات طاری

کر دیا تھا۔

(ج) میرے ہاتھ نے میرے حکم کی تعمیل کی تو روشن ہو گیا، اور اب کسی آنکھ کو طاقت نہیں کہ اُس کی طرف دیکھ سکے، سب کے سب محو حیرت و استعجاب ہیں، ایسے ہی جب بنی اسرائیل میرے دست و بازو بن کر حریت قومی کے لیے سرفروشانہ اقدام کریں گے، ہر قسم کے ایثار و قربانی کے لیئے اپنے آپ کو تیار کر لیں گے، تو اُن کی ترقی نہایت سرعت کے ساتھ ہو گی، تمام قومیں ان کو حیرت سے دیکھیں گی کسی میں ان کے مقابلہ کی طاقت نہ ہو گی، اور دنیا میں ان کا نام روشن ہو جائے گا۔

ان دونوں معجزات کو قرآن حکیم نے مختلف ناموں سے یاد کیا ہے، ایک جگہ ان کو فتح و کامرانی اور غلبہ فرمایا، ولقد ارسلنا موسیٰ بایٰتنا وسلطٰن مبین (۱۱ : ۹۹) ایک موقع پر ان کو آزادی کے زبردست دلائل سے تعبیر کیا:۔ فذانك برھانٰن من ربك (۲۸ : ۳۲) ایک مقام پر ان کو اللہ نے اپنی آیات کبریٰ سے یاد کیا، فاراه الاٰیة الکبریٰ (۷۹ : ۲۰) مقصد ان تمام آیات کا یہی ہے کہ اب بنی اسرائیل کی آزادی کا وقت آ گیا، اور موسیٰ کے پاس وہ قانون موجود ہے جو ان کے استقلال قومی کا ضامن ہو سکتا ہے۔

ان معجزات کو دیکھ کر فرعون کو اس امر کا موقع مل گیا کہ عوام الناس کو دھوکا دے چنانچہ اُس نے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا:۔

ان ھذا لسٰحر علیم ۔ یرید ان یخرجکم من ارضکم بسحرہ (۲۶ : ۳۴ و ۳۵)۔

بے شک یہ شخص ماہر جادوگر ہے چاہتا ہے کہ تم کو تمہارے ملک سے اپنے جادو کے زور سے نکال باہر کرے۔

اقتدار کا بھوت

ظالم و جابر اور اجنبی حکومتوں کی ایک عادت یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ اپنی آنکھوں سے حق و صداقت کو روز روشن کی طرح دیکھ لیتی ہیں، وہ جانتی ہیں کہ رعایا جو مطالبات پیش کرتی ہے وہ جائز اور درست ہیں

اور ہر طرح سے ان کے پورا کرنے کی اہلیت بھی ان میں ہی بلکہ بسا اوقات حکومت کے بعض ذمہ دار افراد بھی اس حقیقت کو کھلے الفاظ میں تسلیم کر لیتے ہیں، اور خود لوگوں کو بھی ان کی تقریروں سے یہ خیال ہونے لگتا ہی کہ اب ہمارے حقوق ادا ہوں گے، اور ہمیں کامل آزادی نصیب ہو گی۔

مگر ہمیشہ ان مواقع میں اقتدار اور رعب کا بھوت افراد حکومت کے سر پر سوار ہو جاتا ہی، نہیں یہ ڈر لگا رہتا ہی کہ اگر ہم نے رعایا کے مطالبات تسلیم کر لیئے تو ہمارے اقتدار میں فرق آجائے گا، ہمارا ڈر لوگوں کے دلوں سے جاتا رہے گا، قانون بالکل لغو و مہمل ہو کر رہ جائے گا اور ہماری حکومت کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں گی، اس لیئے وہ ان کے مطالبات کو ٹھکرا دیتی ہی، اور ان کے پورا کرنے سے بلطائف الحیل انکار کر دیتی ہی۔

چنانچہ فرعون اور اس کی حکومت کے افراد یہی کیا کرتے تھے، سورۂ مؤمنون میں آتا ہی:

ثم ارسلنا موسیٰ واخاہ ھارون بآیاتنا وسلطٰن مبین، الیٰ فرعون وملائه فاستکبروا وکانوا قوماً عالین فقالوا انؤمن بشرین مثلنا وقومھما لنا عابدون فکذبوھما فکانوا من المھلکین (۲۳: ۴۷ تا ۵۱)

پھر ہم نے موسیٰ اور اُن کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور دلیل ظاہر کے ساتھ فرعون اور اُس کے درباریوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تو وہ سب شیخی میں آگئے، اور وہ تھے بھی سرکش لوگ تو آپس میں لگے کہنے کیا ہم ان دو شخصوں پر کہ وہ بھی ہمارے ہی جیسے ہیں، ایمان لے آئیں حالانکہ ان کی قوم ہماری خدمت گار ہی، غرض ان لوگوں نے دونوں کو جھٹلایا تو انجام یہ ہوا کہ ہلاک کر دیئے گئے۔

فرعون اور اس کے ارباب شوریٰ نے حضرت موسیٰ کے مطالبات تسلیم نہ کیئے، اور بنی اسرائیل کو آزادی کامل دینے سے انکار کر دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ سب کے سب حق کے ٹھکرا دینے کی وجہ سے برباد ہو گئے، پس آج بھی جو حکومت فرعون کے نقش قدم پر چلے گی وہ اس حقیقت کو پیش نظر رکھ لے کہ اس کا بھی وہی انجام ہوگا،

وما ذٰلک علی اللہ بعزیز۔

ذہاب الی اللہ

جب نوبت یہاں تک آگئی تو بنی اسرائیل ترک وطن اور ہجرت الی اللہ کے لیئے مجبور ہو گئے کہ بلاد بعید میں جاکر اپنے وطن کی آزادی کے لیے سعی و کوشش کریں اور اپنی تمام قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کر کے آنے والے وقت کے لیے تیار ہو جائیں، مگر بدبخت فرعون نے اُن کے اس رستہ میں بھی رکاوٹیں پیدا کیں اور ہر طرح سے مسلح ہو کر ان کا دور تک تعاقب کیا:-

فاتبعوهم مشرقين ٥	تو فرعون کے لوگوں نے دن نکلتے نکلتے بنی اسرائیل کا تعاقب
فلما تراء الجمعٰن قال	کیا، پھر جب دونوں جماعتیں ایسی قریب ہو گئیں کہ ایک دوسرے کو
اصحٰب موسیٰ انا لمدرکون ٥	دیکھنے لگیں، تو موسیٰ کے لوگ لگے کہنے کہ اب تو دشمن نے ہم کو آلیا،
قال کلا ان معی ربی سیهدین ٥	موسیٰ نے کہا، ہر گز نہیں میرے ساتھ میرا پروردگار ہے، اور کوئی دم میں
(۲۶ : ۶۰ تا ۶۲)	وہ مجھ کو مخلصی کا رستہ دکھائے گا۔

فرعون کا لشکر اور اُس کا ساز و سامان دیکھ کر بنی اسرائیل کے اوسان خطا ہو گئے" اور یہ کوئی عجیب بات نہیں، جو قوم ہمیشہ سے دوسروں کی غلام و محکوم رہی ہو وہ اس قسم کے خیالات کا اظہار کرتی ہے، اگرچہ منزل مقصود اس کے سامنے ہو اور سپیدۂ صبح نمودار ہو گیا ہو مگر پھر بھی وہ شک میں مبتلا رہے گی، آزادی کی راہ آسان نہیں اس میں تکلیف و مصیبت کا آنا ضروری ہے، قصر آزادی کی طرف صرف ایک ہی رستہ جاتا ہے جس کا فرش اینٹ اور چونے کا نہیں، بلکہ انسانی خون اور اُس کے مغرور سروں کا ہے، قرآن نے اس اُصول کی طرف ان الفاظ میں توجہ دلائی :-

ام حسبتم ان تدخلوا الجنة	کیا تم ایسا خیال کرتے ہو کہ مزے سے بہشت میں داخل ہو گے،
ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم	اور ابھی تک تم کو اُن لوگوں کی حالت پیش نہیں آئی جو تم سے پہلے ہو
مستهم البأساء والضراء وزلزلوا حتیٰ	گزرے ہیں کہ ان کو سختیاں بھی پہنچیں اور تکلیفیں بھی، اور جھڑ جھڑائے بھی گئے

یقول الرسول والذین اٰمنوا معہ متیٰ نصر اللہ ۔ الا ان نصر اللہ قریب ۔ (۲ : ۲۱۷) یہاں تک کہ پیغمبر اور ایمان والے جو ان کے ساتھ تھے چلا اُٹھے آخر خدا کی مدد کے آنے کا کوئی وقت بھی ہے؟ سنبھلو سنبھلو اللہ کی مدد کا وقت قریب آگیا ۔

جس وقت فرعون نے تنگ آکر بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرنے کا حکم دیا تھا اُس وقت بھی ان لوگوں نے موسیٰ ہی پر تمام الزام رکھا تھا کہ جس قدر تکالیف و شدائد حکومت کی جانب سے ہم پر نازل ہو رہی ہیں وہ آپ ہی کی وجہ سے ہیں، اگر آپ یہ مطالبہ نہ کرتے تو آرام سے زندگی بسر ہوتی : قالوا اوذینا من قبل ان تاتینا و من بعد ما جئتنا ، (۷ : ۱۲۶) مگر موسیٰ نے ان کے اس اعتراض کی کوئی پروا نہ کی، اپنی کوشش میں مصروف رہے اور ان کو بتا دیا کہ میری کوششوں کا یہ نتیجہ ہوگا :

عسیٰ ربکم ان یھلک عدوکم ویستخلفکم فی الارض (۷ : ۱۲۶) اب وہ وقت آگیا ہے کہ تمہارا پروردگار تمہارے دشمن کو ہلاک کرے اور تم کو ملک میں اس کا جانشین بنائے ۔

یہ غلامی ہی کے نتائج تھے جن کی بنا پر بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بت بنانے کی درخواست کی، اور یہی وہ چیز تھی جس نے ان کی ہمتوں کو پست اور ارادوں کو کمزور کر دیا تھا، موسیٰ کا وعدہ قطعی اور یقینی ہے مگر بیت المقدس پر حملہ کرنے کے لئے آگے نہیں بڑھتے اور انجام کار اپنی بزدلی اور کمزوری کا اظہار یوں کرتے ہیں : فاذھب انت وربک فقاتلا انا ھٰھنا قاعدون ، تم اور تمہارا خدا دونوں جاؤ اور اُن لوگوں سے لڑو، ہم تو اسی جگہ بیٹھے ہیں ۔

اصل بات یہ ہے کہ غلاموں اور محکوموں کے جذبات صادقہ پر عالم ممات طاری ہو جاتا ہے پھر نہ توان میں ہمت کی بلندی ہوتی ہے اور نہ ارادہ کی قوت، وہ درخت کی ٹہنی کو، جنگلوں اور پہاڑوں کے ہر پتھر کو، اور قدرت کی ہر جلوہ نمائی کو اپنے سے زیادہ عزیز و محترم خیال کرتے ہیں، اور اس لئے ہر ذلیل سے ذلیل چیز کے آگے سربسجود ہو جاتے ہیں، اسی غلامی نے ان کو بزدل بنا دیا، اور باوجود آزادی حاصل کرنے کے وہ فرعون کے لشکر کو دیکھ کر خوف زدہ ہو گئے، مگر موسیٰ نے انھیں اطمینان دلایا کہ جب ہم حق پر ہوں، تو دنیا کی بڑی سے

بڑی طاقت بھی میری اس تحریک آزادی کو فنا نہیں کر سکتی خدائے کریم جو بے کسوں کا چارہ ساز اور مظلوموں کا دادرس ہے مجھے اس وادی میں اکیلا نہیں چھوڑے گا کہ گم کردہ راہ بھٹکتا پھروں، بلکہ وہ میرے ساتھ ہے، اور رہ نمائی کرتا ہے، وہی نجات و کامرانی کی صورت بھی پیدا کرے گا۔

نتیجہ کی بشارت

جس وقت بنی اسرائیل سرزمین مصر میں انتہائی مظالم کا شکار ہو رہے تھے، آسمانوں پر ان کی قسمت کا فیصلہ یوں کیا جا رہا تھا:-

ونرید ان نمن علی الذین	اور ہمارا ارادہ یہ تھا کہ جو لوگ اس کے ملک میں کم زور
استضعفوا فی الارض ونجعلھم	سمجھے گئے تھے اُن پر احسان کریں، اور انھیں کو سردار بنائیں، اور
ائمۃ ونجعلھم الوارثین ۰ ونمکن لھم	انھیں کو سلطنت کا وارث ٹھہرائیں، اور انھیں کو ملک میں جمائیں
فی الارض ونری فرعون وھامان و	اور فرعون اور ہامان اور اُن کے لشکر کو بنی اسرائیل کی طرف سے
جنودھما منھم ما کانوا یحذرون ۰ (۲۸: ۵-۶)	جس بات کا خطرہ تھا، وہ انھیں کے ہاتھ سے اُن کے آگے لائیں۔

قرآن حکیم نے ان الفاظ میں ایک دائمی قانون عدل کی طرف ہماری رہ نمائی کی ہے، وہ بتاتا ہے کہ دنیا قوت کے جاہ و جلال کی نمائش گاہ ہے، اور کم زوروں کی ہلاکت کا مقتل، طاقت ور قومیں اور زبردست حکومتیں کم زوروں کو اپنا غلام و محکوم بنا لیتی ہیں، ان میں پھوٹ اور نفاق، بغض اور کینہ، اور باہمی انتقام کے جذبات خبیثہ پیدا کر کے ان کی جمعیت کو توڑتی ہیں، ان کے مختلف گروہوں اور فرقوں کو آپس میں ملنے نہیں دیتیں، کیوں کہ وہ اگر مل کر ایک ہو جائیں گے تو کم زور نہ رہیں گے، اور اتفاق و یک جہتی کی طاقت اعلیٰ ترین ظالموں کے تاج و تخت کو الٹ دے گی، یہ حال مصر میں بنی اسرائیل کا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ ہی دنیا کا ایک دوسرا قانون بھی ہے، خدا کا زبردست ہاتھ کبھی کبھی چمکنے والی حرکت کا بھی اظہار کرتا ہے، جب ظلم اور طاقت کی انتہا ہو جاتی ہے، جبر و تشدد، اور غرور و تکبر کا شیطان حد سے تجاوز کرتا ہے،

تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ دنیا طاقت والوں کی جگہ کمزوروں کا گھر بنادی جاتی ہے اور وہی زمین جو کمزوروں کے لیے قتل گاہ تھی طاقت والوں کی تباہی و ہلاکت کا تماشا گاہ بن جاتی ہے، پس اس دن چھوٹے بڑے کیے جاتے ہیں اور بڑوں کو چھوٹا کیا جاتا ہے، وہ کہ کمزور کر دیے گئے تھے، وہ کہ بے کس اور بے نوا تھے، وہ کہ صرف رونے، ماتم کرنے، بے بسی کی چیخیں مارنے اور لٹنے لٹانے کے لیے تھے، وقت آتا ہے کہ احسان الٰہی کے سزاوار ٹھہرتے ہیں، اور کمزوری کی جگہ طاقت کے لیے، بے کسی کی جگہ فرماں روائی کے لیے، رونے کی جگہ خوشیوں کے لیے، ماتم کی جگہ عیش و کامرانی کے لیے، اور لٹنے کی جگہ لوٹنے کے لیے تمام عالم میں نمایاں ہو جاتے ہیں، قوت فرعونی کی جگہ قوت موسوی کی تلوار آن کی آن میں دنیا کو پلٹ دیتی ہے، اور صدیوں کی گری ہوئی قومیں پھر جاہ و جلال ربانی کے ظہور و قیام کے لیے دنیا کی وارث اور خلیفہ بنا دی جاتی ہیں۔

حسن خاتمہ

اس قدوس حق نواز کی کارفرمائی دیکھیے کہ اس ضعیف و کمزور قوم کو کس طرح وارث تاج و تخت بنا دیتا ہے:-

واورثنا القوم الذين كانوا يستضعفون مشارق الارض ومغاربها التى بركنا فيها ط وتمت كلمت ربك الحسنى على بنى اسرائيل بما صبروا ط ودمرنا ما كان يصنع فرعون وقومه وما كانوا يعرشون ٥ (٧ : ١٣٣)

اور ملک شام کی زمین جس میں ہم نے برکت دی تھی، آخر کار ہم نے اُن لوگوں کو اُس کے پورب اور پچھم کا مالک کر دیا جو فرعون کے ہاں کمزور سمجھے جاتے تھے، اور اے پیغمبر! چونکہ بنی اسرائیل نے فرعون کے ظلموں پر صبر کیا اس لیے تمہارے پروردگار کا وعدہ نیک، جو اُس نے بنی اسرائیل سے کیا تھا، اُن کے حق میں پورا ہوا، اور جو سختیاں فرعون اور اس کی قوم کے لوگ بنی اسرائیل کے ساتھ کرتے تھے اور بڑی بڑی اونچی عمارتیں ان سے بیگار میں بنواتے تھے اُس سارے انتظام کو ہم نے درہم برہم کر دیا۔

ادھر تو بنی اسرائیل کو ارضِ مقدس کا وارث بنا دیا، اور ادھر فرعون اور اس کی قوم کو سرزمین مصر سے محروم کر دیا۔

فاخرجنٰھم من جنٰت وعیون ٥ وکنوز و مقام کریم ٥ کذٰلک ط واورثنٰھا بنی اسرائیل ٥ (۲۶: ۵۷ تا ۵۹)

غرض ہم نے فرعون کے لوگوں کو باغوں اور چشموں اور خزانوں اور عزت کی جگہ سے نکال باہر کیا، ایسا ہی ہوا، اور بنی اسرائیل کو ان چیزوں کا وارث بنایا۔

بصائر للناس

تم نے دیکھ لیا کہ یوسف غلامانہ حیثیت سے مصر میں داخل ہو کر اس سرزمین کے وارث بن جاتے ہیں اور تمام اطراف مملکت میں بنی اسرائیل عزت و کرامت کی زندگی بسر کرتے ہیں، مگر جب وہ اپنے شرف و مجد انسانی کو کھو بیٹھتے ہیں، اور دائرۂ انسانیت سے نکل کر جانوروں اور درندوں کی زندگی اختیار کرتے ہیں، تو ان پر عذاب الٰہی اس صورت میں نازل ہوتا ہے کہ ان پر ظالم و جابر بادشاہ مسلط کیے جاتے ہیں جو ان میں پھوٹ اور نفاق کے جذبات پیدا کر کے ان کو مختلف گروہوں میں تقسیم کر دیتے ہیں، ہر ایک جماعت دوسری کو فنا کرنے کی کوشش کرتی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ یہ لوگ قریباً چار سو سال تک غلام رہتے ہیں، پھر جب فرعون کے مظالم کی انتہا ہو جاتی ہے، اور جبر و استبداد اپنے کمال پر پہنچ جاتا ہے تو رحمتِ الٰہی جوش میں آتی ہے، اور موسیٰ کو ان کی نجات کے لیے مبعوث کرتی ہے، وہ ایک مدت تک فرعون کے گھر میں پرورش پاتے ہیں تاکہ سیاست کی چالبازیوں اور مکاریوں سے خوب واقف ہوں، حکومت کے نظر فریب رعب وداب اور ظاہری شان و شوکت کی حقیقت سے آگاہ ہوں اور جہانبانی و جہانداری کے اصول و ضوابط کو معلوم کر لیں، پھر ان کو خود جلا وطنی کی مقدس منزل پیش آتی ہے، اور دس سال تک شعیبؑ کی بکریاں چراتے ہیں کہ اس طریق سے غلامانہ زندگی بسر کر کے ان کو معلوم ہو کہ میری قوم کی کیا حالت ہو گی جو چار سو سال سے غلامانہ طور سے رہ رہی ہے، پس وہ آئے، اور بے باکانہ فرعون کے دربار میں للکار کر اپنی قوم کی آزادی کا

مطالبہ کیا۔

فرعون کو دیکھو، وہ پہلے اس تحریکِ آزادی کو ہنسی میں اُڑانا چاہتا ہے اور موسیٰ کو مجنون کا لقب دیتا ہے مگر تھوڑی سی مدت کے بعد اُسے معلوم ہوتا ہے کہ اس تحریک نے ملک میں جڑ پکڑ لی ہے تو وہ سختی پر اتر آتا ہے اور فدا کارانِ حریت کو قید اور پھانسی کی دھمکی دیتا ہے، اُسے خیال ہوتا ہے کہ یہ سختیاں میری سلطنت کو اور زیادہ محکم و استوار کردیں گی، مگر دراصل یہی جابرانہ طریقِ عمل اُس کی حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیتا ہے چند روز کے بعد وہ سمندر میں غرق ہوتا ہے اور وہی مظلوم و بے کس وارثِ تاج و تخت بن جاتے ہیں۔ سچ ہے :-

ولقد اٰتینا موسی الکتاب من بعد ما اھلکنا القرون الاولیٰ بصائر للناس وھدی ورحمۃ لعلھم یتذکرون (۲۸ : ۴۳)

اور اگلی اُمتوں کے ہلاک کئے پیچھے ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت کی، جس سے لوگوں کی آنکھیں کھلتی تھیں اور اُن کے لئے ہدایت اور رحمت تھی، اور اس غرض سے دی گئی تھی کہ لوگ نصیحت پکڑیں۔

اُس خدائے قدوس کے وعدہ کی سچائی کو دیکھو اُس نے کس طرح ایک فرعونی حکومت کو تباہ و برباد کیا، پس جس کی آنکھیں ہیں، وہ دیکھے جس کے کان ہیں، وہ سُنے اور جس کا دل ہے وہ غور کرے کہ یہ وعدہ صرف ماضی کے لئے نہ تھا، بلکہ مستقبل کے لیے بھی ہے، جو حکومت فرعون کے نقشِ قدم پر چلے گی، وہ اسی طرح سمندروں میں غرق ہوگی، اس وعدۂ الٰہی کے ماضی کو تمام دنیا دیکھ چکی ہے، اب مستقبل کو دیکھنا باقی ہے، وکان وعداً مفعولاً، منزلِ مقصود سامنے ہے اور سورج اگرچہ دکھائی نہیں دیا مگر اُس کی روشنی خبر دے رہی ہے کہ ظلمت و تاریکی گئی، اور نور کا زمانہ آگیا، یاس و قنوط کی کوئی وجہ نہیں،

وھو الذی ینزل الغیث من بعد ما قنطوا وینشر رحمتہ وھو الولی الحمید (۴۲ : ۲۸) اور وہی تو ہے جو لوگوں کے نا اُمید ہو جانے کے بعد مینہ برساتا ہے اور اپنی رحمت کی برکت کو پھیلا دیتا ہے اور وہ کارساز اور سزاوارِ حقیقت ہے :-

فیضی گماں مبر کہ غمِ دل نہفتہ ماند
اسرارِ عشق انچہ تواں گفت، گفتہ ایم

وَاٰخرُ دعوٰنا اَنِ الحمدُ للہِ ربِّ العٰلمین

بچوں کے لیے

یہ کتابیں خاص بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں اور ہمیشہ کام آنے والی ہیں

(۱) ہمارے رسول، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی کے پاک حالات	قیمت	پانچ آنے
(۲) نبیوں کے قصے، اللہ نے انسانوں کو نیکی کا رستہ بتانے کے لئے جو دوسرے رسول بھیجے اُن کے قصے قرآن پاک میں آئے ہیں اس کتاب میں انھیں کے حالات ہیں	"	چھ آنے
(۳) خلفاے اربعہ، حضرت ابوبکر صدیق، عمر فاروق، عثمان غنی اور علی رضی اللہ عنہم کے پورے واقعات،	"	دس آنے
(۴) چالیس حدیثیں، دین اور دنیا میں کام آنے والی حدیثیں، اور اُن پر صحابۂ کرام کا عمل	"	دو آنے

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، قرول باغ، نئی دہلی

بڑوں کے لئے

قرآن پاک کی تفسیریں بہت اچھی ہیں، اور ہر جگہ پسند کی جا رہی ہیں

۱) بیان	تفسیر	سورۂ	آل عمران	قیمت	ایک روپیہ بارہ آنے
۲) الصراط المستقیم	"	"	انفال و توبہ	"	دو روپے
۳) عبرت	"	"	یوسف	"	ایک روپیہ
۴) برہان	"	"	نور	"	ایک روپیہ
۵) سبیل الرشاد	"	"	حجرات	"	دس آنے
۶) سبل السلام	"	پارۂ	قد سمع اللہ	"	بارہ آنے
۷) ذکریٰ	"	"	عم	"	دو روپے آٹھ آنے
۸) الخلافۃ الکبریٰ	"	سورۂ	بقرہ	"	چار روپے

ملنے کا پتہ: مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ قرول باغ، نئی دہلی